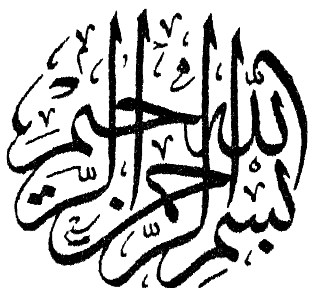


مُقدّمہ

متمدن اور مہذب دنیا سے دور، حجازی عرب مغربی ایشیا کے اس تپتے ہوئے خطہ مین رہتے تھے جو فطرت کی فیاضیون سے بہت کم بہرہ مند ہے، یہ اپنی بھیڑوں اور اونٹوں کو لئے ہوئے اِدھر اُدھر گھوما کرتے تھے، جہاں کوئی چشمہ نظر آجاتا وہاں چنددن خیمہ انداز رہتے، جب مویشیوں کے لئے چارہ ختم ہونے لگتا تو دوسرے چشمے کی تلاش مین نکل کھڑے ہوتے۔ وسیع وعریض ریگستان کے درمیان کہیں کہیں سر سبز نخلستان بھی ہیں، یہاں کچھ قبائل مل جل کر رہتے اور اپنے شیوخ کی زیرنگرانی تمدن کے ابتدائی مراحل طے کرتے، بڑے بڑے شہرون کا اس خطہ میں نام و نشان بھی نہ تھا، لے دے کے تین بستیاں تھیں جن کو بمشکل شہر کہہ سکتے تھے (۱) مکہ (۲) مدینہ (۳) طائف

یہ تھا وہ ملک جہاں سے دنیا کی سب سے بڑی اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا ، اس تحریک کی بنیاد نہ روم و یونان کی فلسفیانہ موشگافیوں پر تھی ، نہ یہود و نصاریٰ کی جنگ عقائد پر، مذہبی، سیاسی اور اقتصادی کشمکش کی وجہ سے دنیا فطرت سے جو سر چشمہ ہدایت ہے بہت دور ہٹ گئی تھی : اسلام اس بھولے ہوئے پیغام کو دہرانے اور مٹے ہوئے نظام عمل کو زندہ کرنے کے لئے آیا تھا (فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله) اس دین فطرت کی تبلیغ و تعمیل کے لئے عرب سے بہتر کون سا ملک ہو سکتا تھا کہ یہاں کی زندگی فطرت سے بہت قریب تھی اور نام نہاد تہذیب و تمدن نے ابھی یہاں کے باشندوں کے قلوب کو کلیتہً مسخ نہیں کردیا تھا۔ حریت ، مساوات اور اخوت کا وجود وسیع پیمانہ پر نہ سہی محدود ہی طور پر سہی مگر موجود ضرور تھا : قبائل ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہوں، ایک دوسرے کو حقیر سمجھتے ہوں مگر آپس میں مل جل کر رہتے اور اپنے افراد کو مرتبہ میں برابر سمجھتے تھے : آزادی ضمیر اور آزادی عمل کو وہ کسی قیمت پر بیچنے کے لئے تیار نہ تھے۔ حریت ،

مساوات اور اُخوت کے ان جذبات کو اسلام نے وسعت دینے کے ساماں بہم پہنچائے : اس نے بتایا کہ تمھارا اپنہ قبیله هی نہیں بلکه ساری دنیا ایك برادری هے : اس لئہ جس چیز کو تم اپنے اور قبیله کے لئے اچھا نہیں سمجھتے اس کو دوسروں پر عائد کرنے کی کوشش نه کرو -

اسلام کے اصول صرف دماغی عیاشی اور ذهنی جمناسٹك کے لئے نه تھے بلکه ان کی حیثیت عملی اور افادی تھی - اصول دین کے نام سے اس نے جن نظریات کو پیش کیا تھا انکو عملی جامه پہنانے کے لئے فروع دین (نماز، روزہ، زکاۃ، خمس، حج، جہاد،) کے نام سے ایك پروگرام تیار کیا تھا؛ جس پر کاربند هونیسے حریت، مساوات اور اخوت کا مظاهرہ بھی هوتا هے اور مشق بھی-

یه سیدھے سادے عقائد اور اعمال فطرت انسانی پر مبنی تھے اوراس لئے فطری ماحول سے قریب عربوں کے مزاج کے موافق ؛ اسلام چاهتا تھا که یه تحریك عربوں میں عام هوجائے اور وہ اس الٰہی دستور حیات کے نظری اور عملی دونوں شعبوں میں مہارت تامه حاصل کرلیں، تو پھر ان کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اقوام عالم کو ان کے اتباع کی دعوت دی جائے -

(کنتم خیرامة اخرجت للناس تا مرون بالمعروف وتنهون عن المنکر)

مگر حالات نے جو رخ اختیار کیا اسکی وجه سے یه خواب شرمنده تعبیر نه هوسکا ، رسول کا زمانه حیات پورے عرب کو اسلامی اصول پر عامل اور راسخ کرانے کے لئے کافی نه تها : ان کی انکهه بند هوتے هی مسلمان خانه جنگیون مین مصروف هوگئے اوران خانه جنگیوں کے مضر اثرات کا سدباب کرنے کے لئے ان کا رخ همسایه ممالك کی طرف موڑ دیا گیا : نتیجه یه هوا که جب مسلمانون کی نو خیز تهذیب روم و ایران کے قدیم تمدن سے ٹکرائی تو باهمی اختلاط و اشتراك سے اسلامی تهذیب کے بجائے ایك جدید تمدن کا اغاز هوا جسکو مغربی مورخین سارا سینك کلچر (Saracenic Culture) کہتے هیں -

اگر رسول کریم کی وفات کے بعد چند سال تك اهل عرب کو اپنی اندرونی اصلاح اور ,,تنظیم مطابق اسلام،، کا موقع مل جاتا تو شاید وه همسایه ممالك سے متاثر هونے کے بجائے خود ان پر اثر انداز هوسکتے : مگر دوسرون پر اثر انداز هونے کا سوال تو الگ رها وه خود اسلام کے بنیادی اصول کو بهی پورے طور پر جذب نه کرسکے : اس لئے قبیله پرستی

خاندان نوازی اور جتھہ بندی کی وہ مذموم صفتیں جو دور جاھلیت کا طرہ امتیاز تھیں پھر ابھر آئیں۔ چونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ رسول کریم علیہ واٰلہ الصلواۃ والتسلیم نے اپنے بعد مسلمانوں کے امیر کے تعین و تقرر کا کوئی معیار مقرر نہیں کیا اس لئے مختلف قبائل امارت مسلمین کے لئے کوشاں ہوئے اور ان کے باھمی تنازعوں نے خونریزیوں کا دروازہ کھول دیا ۔ خدمت خلق، ترویج دین اور حفاظتِ ملک وملت کے بجائے عہدۂ خلافت کو حصولِ اقتدار اور طلبِ جاہ کا ذریعہ سمجھہ لیا گیا- جب تک رسول کی آغوشِ تربیت میں پلے ہوئے لوگ موجود رھے ' یہ جذبہ مصلحتوں اور تاویلوں کے حجاب ڈال کر نمودار ہوتا رھا : جب یہ مقدس دور ختم ہوگیا، اور دمشق و بغداد مرکزِ حکومت بنے تو کھلم کھلا قیصر وکسری کی تقلید ہونے لگی ـ

اسلامی نظام کی رو سے قرآن شریف سرچشمہ قوانین و احکام ھے اور رسول کی سیرت انّ احکام کی تفسیر ھے۔ کسی انسان کو خواہ وہ کتنا ھی بڑا کیوں نہ ھو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ھے : مسلمانوں کا امیر قرانی احکام کو صرف نافذ کر

سکتا ھے ۰ ان کی تعمیل کراسکتا ھے، مگر اپنی طرف سے ان میں تغیر و تبدل نہیں کرسکتا ـ مگر عرب کے آس پاس کے ممالك مین بادشاہ مطلق العنان ھوتے تھے ، ان کے منہ سے نکلا ھوا ھر قول قانون مانا جاتا تھا ـ اس لئے جب خلفاء نے شاھانہ کر و فر اختیار کر لیا تو شامی و ایرانی لوگون نے جو اپنی قومی و نسلی روایات سے متاثر تھے ۰ ان کی بیجا خوشامد اور اطاعت شروع کی : اس سے خلفاء کے حوصلے بڑھتے گئے اور انھون نے احکام الٰھی کو پس پشت ڈالکر اپنے مفاد اور مصالح کو مشعل ھدایت بنایا ؛ اسطرح حکومت عربیہ کی گاڑی اسلام کی سیدھی سڑك سے ھٹ کر قیصر و کسری کے پامال و فرسودہ مگر پُر پیچ راستہ پر پڑ گئی ـ تاریخ کے آئینہ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے مطلق العنان سلاطین کی شکلیں دیکھئے وہ رسول کریم کے بجائے نیرو اور اسفندیار کے جانشین اور چنگیز و ھلاکو کے پیشرو نظر آئینگے ـ

یہ ظاھر ھے کہ مصلح اور بادشاہ کے منصب جداگانہ ھیں ـ اول الذکر ترغیب وتحریص اور وعظ و پند سے اپنے خیالات کی اشاعت کرتا ھے اور اخرالذکر غلبہ و اقتدار کی نمایش اور (ضرورت ھو تو) قوت کے استعمال سے اپنے احکام منواتا ھے ـ

تاریخ کا یہ افسوس ناك باب ھے کہ مذاھب کی ابتدا تو بطور تحریك عام (Mass Movement) کے ھوتی ھے۔ جسکو ایك یا چند ایثار دوست بزرگ اپنے اخلاقی اور روحانی اثر سے پھیلاتے ھیں، ابتدا میں اس کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ھے مگر آھستہ آھستہ صداقت دلوں مین گھر کر جاتی ھے، پہلے دو چار آدمی اسکی طرف متوجہ ھوتے ھین پھر گروہ کے گروہ اس میں شامل ھوکر تسکین روح حاصل کرتے ھیں؛ جب عامۃ الناس کا رجحان اسکی طرف بڑھنے لگتا ھے تو ھوشیار جاہ پسند اس کو اپنے لئے حصول اقتدار کا ذریعہ سمجھکر اس میں شامل ھوجاتے ھیں؛ اور آھستہ آھستہ وہ مذھب ان کے ھاتھ میں کھلونا بنکر رہ جاتا ھے۔ بدھ مت پر جو آفت اشوك اور کنشك کے ھاتھون آئی وھی دین مسیحی پر سینٹ پال اور قسطنطین کی وجہ سے نازل ھوئی۔

اسلام در اصل ایك دستور زندگی تھا، رسول کریم اس کو ترغیب و تحریص کے ذریعہ پھیلانا چاھتے تھے (لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی) مگر عرب مین اس وقت جہالت کا دور دورہ تھا، وھاں کے باشندوں نے آپ کے مشن کو بآسانی نہ پھیلنے دیا؛ قدم قدم پر

رکاوٹیں پیدا کیں ، جا بجا مزاحمتیں کیں ، حضرت پر اور ان کے اصحاب پر قاتلانہ حملے کئے۔ جب آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تو آئے دن مدینہ پر دھاوے کرتے رہے، دفاعی طور پر آنحضرت کو تلوار اٹھانی پڑی؛ اور آپ نے قتل وغارت اور خواہ مخواہ خونریزی کے لئے نہیں بلکہ حفاظت جان و مال کے لئے اعدا کا مقابلہ کیا، بعد میں جب ہوشیار قسمت آزماؤں نے اسلام کو آلہ‌کار بنانا چاہا تو آنحضرت کی اس دفاعی لشکر کشی کو سند قرار دے کر جہانگیری اور تسخیر ممالک کا پروگرام بناڈالا اور شاہان روم و ایران کی طرح مستقل لشکر اور بھرپور خزانے رکھکر ایک مستبد اور ظالمانہ طرز حکمرانی کی بنیاد رکھی۔

مسلمان بادشاہون نے بڑے دھوم دھام سے سلطنت کی، ان مین اچھے اور برے دونون قسم کے لوگ تھے؛ شروع شروع میں اقتدار عربون کے ہاتھ مین رہا؛ پھر مغلوں اور ترکوں نے علم جہانبانی بلند کیا؛ آج بھی دنیا کے کسی نہ کسی حصے مین مسلمانوں کی حکومت نظر آھی جاتی ھے؛ مگر ان کا طرز جہانبانی اسلامی نہیں؛ اس لئے نہ ان کی خوبیون کا فخر اسلام کو حاصل ھوسکتا ھے نہ ان کی برائیون کی ذمہ‌داری اس پر عائد کی جاسکتی ھے۔

جن لوگوں نے مختلف اقوام و ملل کے فلسفۂ جہانبانی کا مطالعہ اور ان کے طرز حکمرانی کا معائنہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ فیلِ سیاست کے کھانے کے دانت اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور، قیام حکومت و سلطنت کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کی وجہ سے معاشرے (سماج) کو فائدہ پہونچے اور بلاد و امصار میں امن و امان قایم رہے - بلکہ کوئی ہوشیار اور چالاک فرد، خانداں یا جماعت کسی خطہ زمین پر قابض ہوجاتی ہے، اور اس خطے کے باشندوں، وسائل و ذرائع، اور خزائن ارضی کو تسخیر کر کے اپنے ذاتی مفاد کے لئے وہاں اپنی خدائی کا تخت بچھاتی ہے اور شب و روز اس کے استحکام میں مصروف رہتی ہے -

کلیلہ و دمنہ کے افسانوں سے لیکر چانکیہ، بزرگ مہر، میکیاویلی اور ہیگل کے منضبط فلسفہ سیاسیات تک جتنی کتابیں آپ کو ملینگی وہ صاف صاف یا دبی زبان سے یہی کہتی نظر آئیں گی کہ اصل چیز "بقائے حکومت" ہے : اس مقصد کے حصول کے لئے جنگ و جدل، مکر و فریب، قتل و غارت سب کچھ جائز ہے -

ممکن ھے کہ شروع شروع میں جب نسل انسانی فطری ماحول میں تھی حکمراں افراد یا جماعتوں کا تقرر اس لئے کیا جاتا ھو کہ وہ سوسائٹی کا تحفظ کر سکیں ، مگر اب تو ھزاروں سال سے یہی ھو رھا ھے کہ سوسائٹی کو حکمراں افراد یا جماعتوں کی حفاظت کا فرض ادا کرنا پڑتا ھے ۔ ملوکیت ھو یا جمہوریت ، آمریت ھو یا مشروطیت سب کو اپنے تحفظ کے لئے Divide and rule (ایك طبقه کو دوسرے سے جدا کر دو اور چین سے حکومت کئے جاؤ) کے اصول پر عمل کرنا پڑتا ھے ۔

اسلام چاھتا تھا کہ چالاك انسانوں کے بنائے ھوئے دستورِ حیات کو بدل دے اور اس کے بجائے فطری قوانین پر معاشرہ کو ازسرِ نو ترتیب دے ۔ اسی لئے اس مفید و حیات بخش تجربہ کے واسطے عرب کی سر زمین منتخب کی گئی کہ یہ خطہ فی الجملہ نام نہاد تہذیب و تمدن کے مہلك اثرات سے بچا ھوا تھا ۔ رسول کریم علیہ وآلہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنے عہد میں اسی "نظام نو" کو رواج دیا ؛ نسل آدم کے لونی ، وطنی اور نسلی امتیازات کے خلاف جہاد کیا ؛ دولت کی صحیح اور

مناسب تقسیم سے سوسائٹی کو طبقات میں تقسیم ہونے سے روکا؛ خمس و زکاۃ اور قانون وراثت رائج کرکے سرمایہ داری کی بیخ کنی کی؛ خود محنت و مزدوری کرکے قوم میں عظمتِ محنت کا تصور پیدا کیا۔

مگر جیسا کے پہلے ذکر کیا جاچکا ھے، عرب کے گرد و پیش وہ ممالك تھے جہاں انسانوں کے خودساختہ قوانین رائج تھے، جہاں سوسائٹی طبقات میں تقسیم تھی، جہاں لونی، نسلی اور وطنی امتیازات موجود تھے۔ اس لئے عرب زیادہ عرصہ تك اس "نظامِ نو" پر کاربند نہ رہ سکا۔ رسول خدا کے بعد نئی حکومتوں کو اپنے مصالح کی بنا پر ایران، روم، مصر اور دوسرے ممالك پر فوج کشی کرنی پڑی اور مسلمانوں کا "نظامِ نو" ان ملکوں کے نظام قدیم سے ٹکراکر اگر بالکل پاش پاش نہیں ھوا تو اس سے بڑی حد تك متاثر ضرور ھوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ کو اپنا "نظامِ نو" پھیلانے کے لئے کل تیئیس سال کا عرصہ ملا، ظاھر ھے کہ پرانے نقش مٹا کر نیا نقش قایم کرنے کے لئے یہ عرصہ ناکافی تھا، اگر آنحضرت کی وفات کے بعد وھی "نظامِ نو" عرب میں جاری

رهتا تو آهسته آهسته وهاں کے لوگ اس کے خوگر هو جاتے ، اور اس کے بعد آس پاس کی قوموں کے اخلاق و عادات سے متاثر هونے کے بجائے وہ خود ان پر اثر انداز هوسکتے ۔ لیکن زمانه کو یه منظور نه تها ، آنحضرت کے بعد جلد هی عرب میں ملوکیت کا دور شروع هوگیا ، اور حسب دستور ملوکیت کی بقا کے لئے اس عهد کے ارباب حل و عقد کو وہ تمام وسائل و ذرائع استعمال کرنے پڑے جو سامراجی (امپیر یلسٹ) قومیں استعمال کیا کرتی هیں ۔ (۱) یعنی رعایا کو طبقات میں تقسیم کر دینا تاکه یه طبقے آپس میں دست و گریباں رهیں اور اربابِ حکومت کبهی ایک کو اور کبهی دوسرے کو آگے بڑهاتے رهیں ۔ (۲) اپنی حدود حکومت کی توسیع اور اندرونی بغاوتوں اور خانه جنگیوں کو روکنے کے لئے دوسرے ممالک پر حمله ۔

(۱)

مسلمانوں میں امتیازات وطبقات کیوں کر قایم هوئے

زبان سے یه کهدینا که بنی آدم آپس میں برابر هیں بہت آسان هے مگر عملاً ان میں اخوت اور مساوات کی تخم ریزی

کرنا اور تقسیم دولت میں مساوات برتنا مشکل ہے اور بغیر اس کے قوم مساوات کی خوگر نہیں ہوسکتی ۔ رسول کریم نے زبان سے انماالمومنون اخوۃ (مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں) فرمایا تو ان کے حقوق بھی برابر رکھے ان کے عہد میں دولت ، رنگ روپ ، کثرت مال اور کثرت اعوان کی بنا پر کسی کو شرف حاصل نہ ہوتا تھا ، بلکہ بزرگی کا مدار عمل صالح پر تھا (ان اکرمکم عنداللہ اتقکم) ۔

آنحضرت جب تقسیم دولت فرماتے تو کالے گورے اور آقا غلام کو برابر عطا فرماتے ۔ حضرت ابو بکر بھی اپنے عہد میں رسول کریم کی اس سنت پر عامل رہے ۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے اپنی کتاب الخراج میں لکھا ہے ۔

حدثنی ابن ابی نجیح قال قدم	مجھ سے ابی نجیح نے بیان کیا کہ
علی ابی بکر الصدیق مال	حضرت ابو بکر کے پاس مال لایا
فقال من کان لہ عند النبی	گیا تو وہ لوگوں سے فرمانے لگے کہ
صلعم عدۃ فلیات فجاء جابر بن	جس سے رسول اللہ صلعم نے کوئی
عبداللہ فقال قال لی رسول اللہ	وعدہ فرمایا ہو وہ میرے پاس آئے ۔
لو جاء مال البحرین اعطیک	پس جابر بن عبداللہ ان کے پاس

هكذا هكذا يشير بكفيه فقال
له ابو بكر خذ فاخذ بكفيه
ثم عده فوجده خمسمائة فقال
خذ الفا ثم اعطى كل انسان
كان رسول الله صلعم وعده شيأً
و بقى بقية من المال فقسمه
بين الناس بالسوية على الصغير
والكبير والحر و المملوك والذكر
والانثى فخرج على تسعة دراهم
و ثلث لكل انسان فلما كان العام
المقبل جاء مال اكثر من
ذالك فقسمه بين الناس فاصاب
كل انسان عشرون درهما قال
فجاء ناس من المسلمين وقالوا
ياخليفة رسول الله انك قسمت هذا
فسويت بين الناس ومن الناس
اناس لهم فضل و سوابق و قدم فلو

آئے اور کہا کہ مجھ سے رسالتماب
نے فرمایا تھا کہ اگر بحرین سے
مال آیا تو میں تم کو اتنا دوں
گا (یہ کہتے جاتے تھے اور
اپنے ھاتھوں سے اشارہ فرماتے
جاتے تھے)۔پس حضرت ابو بکر
نے کہا کہ اچھا اس مال میں
سے لے لو، انھوں نے دونوں ھاتھ
بھر کر روپیہ اوٹھایا اور گنا تو
پانچسو نکلے۔تب حضرت ابوبکر
نے فرمایا ایك هزار لے لو پس
اسی طرح حضرت ابو بکر نے
ھر شخص کو جس سے رسول اللہ
نے کچھ وعدہ کیا تھا مال عطا
کیا جو کچھ باقی رھا اس کو
چھوٹے بڑے، آزاد و غلام،
مرد و عورت غرض سب لوگوں

فضلت اهل السوابق والقدم
والفضل بفضلهم قال فقال انما
ذكرتم من السوابق والقدم فما
اعرفني بذالك وانما ذالك شئ
ثوابه على الله و هذا معاش
فالاسوة فيه خير من الاثرة

کو برابر برابر تقسیم کردیا ہر ایک
کے حصہ میں ۹½ درہم آئے۔
جب دوسرا سال آیا، تو
اس سے زیادہ مال حضرت
ابوبکر کے پاس آیا؛ اور اس کو
انہوں نے اسی طرح لوگوں میں
تقسیم کردیا: ہر ایک کو بیس بیس درہم ملے اس وقت مسلمانوں
میں سے کچھ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس آکر کہنے لگے کہ اے رسول
کے خلیفہ آپ نے سارا مال لوگوں پر برابر برابر تقسیم کردیا حالانکہ ان
میں وہ لوگ بھی ہیں جو دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں، اسلام اور دینی
خدمات کے لحاظ سے سابق اور مقدم ہیں پس اگر جناب ان کی
سابق الاسلامی اور فضل کے اعتبار سے تقسیم مال میں بھی ان کو
دوسروں پر فضیلت دیتے تو بہتر ہوتا یہ سنکر حضرت ابو بکر نے فرمایا
کہ میں ان سوابق و قدم کو جن کا تم ذکر کر رہے ہو تم سے بہتر
جانتا ہوں مگر یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے
اور یہ جو میں دے رہا ہوں یہ معاش (یعنی گذر اوقات کا سامان)
ہے، مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلعم کے طریقہ

کو چھوڑ کر میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دوں ۔
مگر یہ طریقہ زیادہ عرصہ تک قایم نہ رھا ۔ رومی اور ایرانی علاقوں کی تسخیر کے بعد مسلمان وھاں کے تمدن سے متاثر ھوئے بغیر نہ رہ سکے ۔ جب حکومت کسرائیت اور قیصریت کے سانچے میں ڈھلنے لگی تو اس کے تحفظ کے لئے ویسے ھی حربے استعمال کرنے پڑے ۔ چنانچہ خلافت کے دوسرے ھی دور میں مدینہ کی سیدھی سادی مخلوق کو طبقات میں تقسیم کرنے کا کام شروع ھو چلا تھا ۔ مساوات پسند مسلمانوں کو روم و ایران کے طریقے پر پنج ہزاری ، ھفت ہزاری اور دوازدہ ہزاری بنا کر Classless Society میں امتیازات کی بنیاد رکھی گئی۔

مسلم ارسٹاکریسی
Muslim Aristocracy
کا آغاز

(پنج‌ھزاری، ھفت‌ھزاری اور دوازدہ‌ھزاری‌مسلمان)

عن الشعبی عن من شهد عمر ابن الخطاب قال لما فتح الله علیه وفتح فارس والروم جمع ناسامن	شعبی نے ایک ایسے آدمی سے جس نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا تھا روایت کی ھے

اصحاب النبی صلعم فقال ماترون
فانی اری ان اجعل عطاء الناس
فی کل سنة و اجمع المال فانه
اعظم البرکة قالوا اصنع مارایت
فانك انشاء الله موفق قال
ففرض الاعطیات فدعی الناس
فقال عبد الرحمان بن عوف
بنفسك فقال لاوالله و لکن
ابدأ ببنی هاشم رهط النبی صلعم
فکتب من شهد بدراً من بنی هاشم
من مولی و عربی لکل رجل
منهم خمسة الاف
و فرض للعباس بن عبد المطلب
اثنی عشر الفا ثم لمن شهد
بدراً من بنی امیه بن عبد شمس
ثم الاقرب فالاقرب الی بن هاشم
ففرض للبدریین اجمعین عربیهم

کہ جب خدا نے حضرت عمر کو
فارس اور روم کی فتح نصیب
کی تو انھوں نے اصحاب رسول میں
سے کچھ لوگوں کو جمع کرکے
پوچھا تمھاری رائے کیا ہے ؟
میری رائے تو یہ ہے کہ لوگوں
کے عطیات کو سالانہ کردوں اور
مال کو جمع کرتا رہوں کیونکہ
یہ طریقہ بہت باعث برکت
ہے ۔ لوگوں نے کہا جو آپ
کی رائے ہو کیجئیے ، انشاءالله
آپ موفق ہوں گے ۔ پس جب
عطیات و وظائف مقرر ہونے
لگے تو اس وقت بھی لوگوں کو
(بغرض مشورہ) طلب کیا گیا ۔
عبد الرحمان بن عوف نے رائے
دی کہ (فہرست کو) اپنی ذات

ومولاهم خمسة الاف خمسة الاف سے شروع کیجئیے۔ حضرت عمر
و فرض للانصار اربعة الاف بولے توبه توبه (ایسا نہیں
اربعة الاف وکان اول انصاری هوسکتا) میں بنی هاشم کے نام
فرض له محمد بن سلمه سے شروع کروں گا که وه نبی
صلعم کا قبیله هیں پس (فهرست یوں) تحریر هوئی که بنی ها شم
میں جو لوگ جنگ بدر میں شریك هو ئے تهے وه غلام
هوں یا عربی النسل هر ایك کا وظیفه پانچ پانچ هزار هاں
مگر حضرت عباس کا باره هزار، اس کے بعد بنی امیه میں سے
جو لوگ جنگ بدر میں شریك هو ئے تهے، پهر جو لوگ بنی
هاشم سے قریب تر تهے ان کے وظائف (اسی لحاظ سے)
مقرر کئے ۔ پس جمله بدریین کے لئے خواه وه غلام هوں
یا عربی پانچ پانچ هزار معین کئے اور انصار کے لئے چار
چار هزار ۔ انصار میں سب سے پہلے جن کا وظیفه معین کیا
وه محمد بن سلمه تهے ۔

و فرض لازواج النبي صلعم اور جمله ازواج نبی کے لئے
عشرة الاف و فرض لعائشة دس دس هزار مقرر کئیے سوائے
ام المومنین اثناعشر الفاً ام المومنین عائشه کے که ان

....

و فرض للحسن و الحسين خمسة .... الاف خمسة الاف لمكانهما من رسول الله صلعم ثم فرض للناس ثلثمائة واربعمائة للعربي و المولى و فرض لنساء المهاجرين والانصار ستمائة و ستمائة و اربع مائة اربعمائة وثلثمائة ثلثمائة و مائتين و فرض لاناس من المهاجرين والانصار الفين الفين

کا وظیفه باره هزار معین کیا ـ کا آغاز

اور رسول الله صلعم سے قرب رکھنے کی وجهه سے حسن و حسین کے لئے پانچ پانچ هزار مقرر کئے ـ باقی لوگوں میں سے عربی اور غلام کے لئے حسب مراتب تین تین سو اور چار چار سو مقرر کئے اور مهاجرین و انصار کی عورتوں کے لئے حسب حیثیت چهه چهه ـ چار چار ـ تین تین اور دو دو سو مقرر کئے اور مهاجرین و انصار میں سے کچهه لوگوں کا وظیفه دو دو هزار معین کیا ـ (ازالة الخفا)

وظائف کی یه فهرست اس سیدهے سادے اسلامی اصول کو رخصت کر رهی هے جس کی رو سے مال آتے هی فوراً تقسیم هو جاتا تها اور غبن ، سرقه اور زیان کے امکانات باقی نه رهتے تهے اس کے علاوه مستحقین کے هاتهه میں پهونچکر وه چلتی ،

پھرتی دولت بن جاتا تھا ۔ اب سال بھر تك اسكا بیت‌المال
میں جمع ھونا ایك طرف اسلام میں کنز (خزانه) کی بنیاد رکھ
رها ھے اور دوسری طرف دولت کو معطل کر کے نشو و نما سے
روك رها ھے ۔

وظائف کی فهرست پر پھر ایك نظر ڈالئے؛ یه دور جاهلیت
کے مٹے ھوئے امتیازات ھی کو زنده نہیں کر رھی بلکه بنی هاشم
اور بنی امیه کی پرانی رقابت کے علاوه انصار اور مهاجرین
کی نئی رزم گاه قائم کر رھی ھے ۔

حقیقت یه ھے که خلافت ثانیه کے زمانه میں ارباب
حل و عقد نے یه اندازه لگا لیا تھا که اب حکومت پرانے مساواتی
انداز پر نہیں چل سکتی ۔ ایك طرف آل محمد اپنے آپ کو
مستحقِ خلافت سمجھتے ھیں دوسری طرف بنی‌امیه عهد جاهلیت
کی سرداری کو واپس لانے کے خواب دیکھ رھے ھیں ۔ اس لئے
ضرورت تھی که داد و دهش اور وظائف و عطایا کے ذریعه سے
ایك وفادار طبقه پیدا کیا جائے اور دوسری طرف حریف
جماعتوں کے افراد کو خرید کر ان میں پھوٹ ڈال دی جائے ۔

اگر یه فهرست اسلامی اصول پر مرتب ھوتی تو پہلے اس

میں آل محمد کا نام ھوتا، جنگی خدمات پر مبنی ھوتی تو اسکا آغاز حضرت علی کی ذات سے ھوتا ، جاھلیت کے اصول کے مطابق اس کی بنا قبائلی تقسیم پر رکھی گئی ھے ، اور حضرت عباس کا بارہ ھزار وظیفہ یہ بتا رھا ھے کہ بنی ھاشم میں نئے دعویداروں کو آگے بڑھایا جا رھا ھے ۔ یہ بارہ ھزار روپیہ آنے والی خلافت عباسیہ کے بارہ زینے تھے ۔ اب اس کے بعد بنی امیہ کا نام آنا سرود بستان یاد دھانیدن کا مترادف ھے ۔ انصار کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے ، ان میں کتنے بڑے بڑے صحابہ شامل ھیں ، انکی اسلامی خدمات اور رسول کریم علیہ و الہ الصلوۃ والتسلیم کے ساتھ مواسات کو دیکھئے : یہ صحیح ھے کہ مہاجرین میں بعض ایسے تھے کہ جن کی اسلامی خدمات انصار کے مقابلہ میں زیادہ ھوں گی مگر ھر وہ عرب جو مکہ سے چل کر مدینہ میں آ اباد ھو اس امر کا مستحق نہیں ھو جاتا کہ اس کو انصار پر ترجیح دی جائے ۔ اگر یہ دور جاھلیت کا احیاء نہ تھا تو ایران و روم کی حکمران جماعت کی نقل تو ضرور اتاری گئی تھی ۔

بنی ھاشم میں حضرت عباس کو ترجیح دی گئی ھے ، انصار میں محمد بن سلمہ کا نام نقطہ آغاز بن رھا ھے ، ازواج میں

ام المومنین عائشه کو دوازده هزاری کا اعزاز عطا هو رها هے ، حالانکه تاریخ ان حضرات کی غیر معمولی اسلامی خدمات کے تذکره سے خاموش هے ۔ کیا اس کی وجهه یه تهی که یه بزرگ هستیاں اس وقت کی حکومت سے زیاده سے زیاده اتحاد عمل کر نے پر اماده تهیں ؟

حضرت عمر کو خود بهی احساس تها که عرب میں ازسرنو دور جاهلیت کی امتیاز پرستی اور قبائل نوازی کا احیاء کرنا سیرت رسول مقبول کے خلاف هے ۔ چنانچه اپنی عمر کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تهے :—

انی کنت تالفت الناس بماصنعت فی تفضیل بعض علی بعض وان عشت هذه السنة ساویت بین الناس فلم افضل احمر علی اسود ولا عربیا علی عجمی و صنعت کما صنع رسول الله و ابوبکر

میں نے بعض لوگوں کو بعض پر جو ترجیح دی تو لوگوں کی تالیف قلوب کرنا مقصود تها لیکن اگر اس سال زنده ره گیا تو لوگوں کے حقوق میں مساوات پیدا کردوں گا اور سرخ کو سیاه پر اور عربی کو عجمی پر کوئی ترجیح نه دوں گا اور ایسا هی کروں گا

جیسا کہ رسول اللہ صلعم اور حضرت ابو بکر کیا کرتے تھے۔
(یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۶)

حضرت عمر کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کوئی غلطی کرتے تو اس کا اعتراف کرنے میں ان کو تامل نہ ہوتا تھا۔ مگر بعد کے زمانہ میں جو لوگ امور مسلمین کے متکفل ہوئے وہ اس خوبی سے محروم تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت عمر کچھ دنوں اور زندہ رہ جاتے تو عدم مساوات کے نظام کو بدلنے کی کوشش کرتے، لیکن ایسا نہ ہوا۔ جب ایک مرتبہ آئین و قوانین کا احترام کم ہو جاتا ہے اور اس کے بجائے حکمران کے اقوال کو آئین کا مرتبہ دیدیا جاتا ہے تو پھر اصل حالت کی طرف عود کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تاریخ الخلفاءِ علامہ سیوطی میں "اولیات عمر" کی سرخی سے جو باب درج ہے اس کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ قرآن کو سرچشمۂ آئین سمجھنے کے بجائے مسلمان روم و ایران کی تقلید میں قانون سازی کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے۔ جب ایک کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ قانون سازی کا فرض ادا کرے تو دوسرا ان سے پیچھے کیوں رہتا۔ انھوں نے بقول خود لوگوں کے قلوب اپنی

طرف مائل کرنے کے لئے طریق عدل و مساوات چھوڑا ۔
انھوں نے اپنی حکومت کی حفاظت و استحکام کے لئے اپنے
خاندان کی پرورش شروع کردی ، داد و دهش کی بدولت
ان کو عرب کے متمول طبقه میں جگه دی اور حکومت کے
اہم عہدوں (Key Positions) پر ان کا تقرر کرکے ملك و قوم
کو ان کی گردشِ چشم و ابرو کا محتاج بنا دیا۔

علامه ابن عبد ربه اپنی کتاب عقد فرید جلد دوم
صفحه ١٨٤ پر ارشاد فرماتے هیں

ومما نقم الناس علی عثمان انه
اوی طرید رسول‌الله صلعم الحکم
بن ابی العاص ولم یوؤه ابوبکر
ولا عمر و اعطاه مائة و الف
و سیر اباذر الی الربذه و سیر
عامر بن عبد قیس من
البصرة الی الشام و طلب منه
عبیدالله بن خالد بن
اسید صلة فاعطاه اربع مائة

اور حضرت عثمان پر لوگوں نے
جو الزامات لگائے تھے ان میں
سے یه بھی تھا که انهوں نے
رسول الله کے نکالے هوئے
حکم بن ابی العاص کو پناه دی
حالانکه حضرت ابوبکر اور
حضرت عمر نے پناه نہیں دی
تھی (صرف پناه هی نہیں
دی بلکه مالِ مسلمین سے)

الف و تصدق رسول الله
بمهزون موضع سوق المدینة
علی المسلمین فا قطعهما للحرث
بن الحکم اخا مروان و اقطع فدك
مروان وهی صدقة لرسول الله
صلعم وا فتح افریقیه و اخذ
خمسه فوهبه لمروان

ایك لاکهہ عطیه بهی عنایت
فرمایا ۔ (دوسرا الزام یه تها)
انهوں نے ابوذر کو ربذه کی
طرف جلا وطن کیا اور عامر
بن عبد قیس کو بصره سے
شام کی طرف نکال دیا ۔
عبیدالله بن خالد بن اسید نے
ان سے انعام و اکرام کی درخواست کی تو اس کو چار لاکهہ
دید ئے ۔ مهزون مدینه میں ایك مقام هے جهاں بازار لگتا
تها ۔ رسول خدا نے اس کو عامةالمسلمین کے لئے صدقه قرار دیا
تها، حضرت عثمان نے مروان کے بهائی حرث بن حکم کو بطور
جاگیر دیدیا ۔ اسی طرح فدك مروان کو جاگیر میں دیدیا
حالانکه وه بهی رسول الله کا صدقه تها ۔ ملك افریقه فتح کیا
تو وهاں کا خمس لے کر مروان کو بخشدیا ۔

علامه ابن‌خلدون اپنی مشهور تاریخ کے مقدمه میں
صفحه ۱۱۲ پر لکهتے هیں ۔

قال‌المسعودی فی ایام عثمان مسعودی نے کها هے که حضرت

اقتنى الصحابة الضياع و المال
فكان له يوم قتل عند
خازنه خمسون و مائة الف
دينار و الف درهم وقيمة ضياعه
بوادى القرى و حنين و غيرهما
مائتا الف دينار و خلف ابلا
و خيلا كثيرة و بلغ الثمن
الواحد من متروك الزبير بعد
وفاته خمسين الف دينار وخلف
الف فرس و الف امة وكانت
غلة طلحة من العراق الف دينار
كل يوم من ناحية السراة
اكثر من ذالك وكان
على مربط عبد الرحمان
بن عوف الف فرس و له الف
بعير وعشرة الاف من الغنم
و بلغ الربع من متروكه بعد

عثمان کے عہد حکومت میں
صحابہ نے جائدادیں اور اموال
حاصل کئے (خود ان کا اپنا
یہ حال تھا) کہ جس دن وہ قتل
ہوئے ان کے خزانچی کے پاس
ڈیڑہ لاکھ دینار اور دس
لاکھ درہم موجود تھے۔ اور
وادی القری اور حنین وغیرہ
میں جو ان کی جائداد تھی
اس کی قیمت دو لاکھ دینار
تھی (اس کے علاوہ) اپنے
بعد انہوں نے بہت سے اونٹ
اور گھوڑے چھوڑے۔ جب
حضرت زبیر نے انتقال فرمایا
تو ان کے ترکہ کے آٹھویں
حصے کی قیمت پچاس ہزار
دینار تھی اس کے علاوہ انہوں

وفاته اربعة و ثمانين الفاً
وخلف زيد بن ثابت من الفضة
والذهب ما كان يكسر بالفؤس
غيرما خلف من الاموال والضياع
بمائة الف دينار و بنى زبير
داره بالبصره و كذالك بنى
بمصر والكوفه و الاسكندريه
وكذالك بنى طلحه داره بالكوفه
شيد داره بالمدينه وبناها بالجص
والاجر والساج و بنى سعد
بن ابى وقاص داره بالعقيق و
رفع سمكها و اوسع فضائها
و جعل اعلاها شراقات
و بنى المقداد داره بالمدينه

نے ایک ہزار :: گھوڑے اور
ایک ہزار کنیزیں بھی چھوڑیں۔
حضرت طلحہ کے (تمول کا یہ
عالم تھا) کہ ایک ہزار دینار کا
غلہ عراق سے روزانہ آتا تھا
اور اطراف سراۃ سے اس سے
بھی زیادہ۔ عبدالرحمن بن عوف
کے اصطبل میں ایک ہزار
گھوڑے تھے (اس کے علاوہ)
انکے پاس ایک ہزار اونٹ اور
دس ہزار بکریاں تھیں۔ ان کے
مرنے کے بعد ان کے ترکہ کے
چوتھائی حصہ کی قیمت چوراسی
ہزار دینار تک پہونچی۔ حضرت

:: کتاب الامامت والسیاست صفحہ ۲۶ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مین کنیز کی قیمت بڑھتے بڑھتے اتنی ہوگئی تھی کہ اپنے وزن کے برابر چاندی کے سکے کے بدلے فروخت کی جاتی تھی، گھوڑا دس ہزار اور اونٹ ایک ہزار دینار مین ملتا تھا۔

وجعلها مجصصة الظاهر والباطن
وخلف يعلى بن منيه خمسين
الف ديناراً وعقاراً وغير ذالك
ما قيمته ثلثمائة الف دراهم

زید بن ثابت نے اپنے بعد اس قدر چاندی سونا چھوڑا کہ کلہاڑیوں سے کاٹا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ دینار کی مالیت کا سامان اور جائداد چھوڑی ۔ حضرت زبیر نے ایک گھر بصرہ میں بنایا اور مصر، کوفہ اور اسکندریہ میں عمارتیں بنوائیں ۔ حضرت طلحہ نے کوفہ میں ایک مکان بنوایا اور مدینہ میں ایک پختہ عمارت تیار کرائی جس میں گچ ، اینٹیں اور ساگون کی لکڑی لگائی گئی ۔ سعد بن ابی وقاص نے مقام عقیق میں اپنا مکان بنوایا ، اس کی چھت بلند رکھی اور فضا وسیع کی اور اس کے اوپر کنگرے بنوائے ۔ مقداد نے مدینہ میں ایک ایسا مکان بنوایا جس کے اندر اور باہر دونوں جانب گچ کی گئی تھی ۔ یعلی بن منیہ نے پچاس ہزار دینار چھوڑے ، اس کے علاوہ جائداد اور دوسرا سامان چھوڑا جس کی قیمت تین لاکھ درہم تھی ۔

یوں آہستہ آہستہ جمہور مسلمین میں طبقات قائم ہوتے گئے ۔ قبائلی امتیاز جس کو اسلام نے مٹا دیا تھا پھر عود کر آیا ۔

اس کے ساتھ ساتھ زمیندار، جاگیردار اور وثیقہ دار کے نئے تشخص قائم ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مساوات اور اخوت کا سیدھا سادہ نظام برباد ہو گیا اور اس کی جگہ اسی امتیاز افرین اور اختلاف پرور نظام نے لے لی جو روم و ایران میں مدت سے جاری تھا اور جس کے مہلک زہر نے مصر، ہندوستان، بابل اور نینوا کے معاشرے کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ آل محمد کا نظریہ اس بارے میں وہی تھا جو خدا و رسول کا تھا کہ مسلمانوں میں امتیاز قائم نہ کیا جائے اور ہر ایک کے لئے ترقی کے یکساں مواقع بہم پہونچائے جائیں۔ دولت کو بیت المال میں ذخیرہ کر کے نہ رکھا جائے بلکہ ہر ایک سال کی آمدنی اسی سال کے اندر صرف کردی جائے تا کہ ایک طرف دولت کو نشو و نما کا موقع ملے اور دوسری طرف غبن، سرقہ اور زیان کا خوف جاتا رہے۔ چنانچہ حضرت عثمان کے بعد جب عنان حکومت ان کے ہاتھ میں آئی تو انھوں نے پہلا کام یہی کیا کہ خزانہ کو عامۃالمسلمین پر تقسیم کر دیا، اور تقسیم میں مساوات کا طریقہ برتا، جب غلام اور آقا۔ کالے اور گورے کو یکساں عطیہ ملا تو وہ جو زیادہ لینے کے عادی تھے بگڑے، مگر حضرت نے یہ فرما کر ان کو

خاموش کر دیا :—

لوکان المال لی لسویت بینهم   اگر یه مال میرا ذاتی بھی ہوتا

فکیف و انما المال مال اللہ   تو میں سب کو برابر برابر ھی

دیتا اور یه تو ھے ھی خدا کا مال (اور اس کی نگاہ میں سب بندے برابر ھیں)

مشہور سنی ماھر سیاست علامه ابن ابی الحدید معتزلی اپنی شرح نہج البلاغه کے مقدمه میں اس مسئله پر کسی قدر وضاحت سے روشنی ڈالتے ھیں ۔

وروی علی بن محمد بن ابی یوسف   علی بن محمد ابو یوسف مدائنی

المدائنی من فضیل ابن الجعد   فضیل بن جعد سے روایت

قال اکد الاسباب فی تقاعد   کرتے ھیں کہ جناب امیرالمومنین

العرب عن امیرالمومنین   علیه السلام سے عرب کی مخالفت

علیه السلام امر المال فانه لم یکن   کا سب سے بڑا سبب یہی "مال"

یفضل شریفا علی مشروف   تھا ، که وہ جناب نه کسی شریف

ولا عربیا علی عجمی ولا یصانع   کو مشروف پر فضیلت دیتے

الروسا و امراء القبائل کما   تھے ، نه عرب کو عجمی سے ممتاز

یصنع الملوک ولا یستمیل احدا الی   سمجھتے تھے ، نه روساء اور

نفسه وكان معاوية بخلاف ذالك
فترك الناس عليا و التحقوا
بمعاويه فشكى على عليه السلام
الى الاشتر تخاذل اصحابه و فرار
بعضهم الى معاويه فقال الاشتر
ياامير المومنين اناقاتلنا اهل البصره
باهل البصره و اهل الكوفه
وراى الناس واحد وقد اختلفوا
بعدوتعادواوضعفت النيه وقل العدد
و انت تاخذبهم بالعدل و تعمل
فيهم بالحق اذعموبه و اغتموا
من العدل اذ صاروا فيه و راؤ
صنائع معاويه عند اهل الغناء
والشريف فتاقت انفس الناس
الى الدينا وقل من ليس للدينا
بصاحب اكثرهم يجتوى الحق
و يشترى الباطل و يوثر الدنيا

امرائے قبائل کے ساتھ وہ ڈپلومیسی
برتتے جو سلاطین کا قاعدہ ھے ،
نہ (مال و دولت دے کر) کسی
کو اپنی طرف مائل کرتے ۔
(ان کے حریف) معاویہ کا عمل
بلکل اس کے خلاف تھا ،
اس وجہہ سے لوگوں نے آپ
کو چھوڑ کر معاویہ سے ساز باز
کرلیا ۔ جناب امیر نے اس کی
شکایت مالك اشتر سے کی کہ
لوگ ھمارا ساتھ چھوڑ کر معاویہ
سے ملے جاتے ھیں ، مالك اشتر
نے کہا اے امیرالمومنین ھم نے
بصرہ اور کوفہ والوں کے ساتھ
مل کر اھل بصرہ سے جہاد کیا
اس وقت لوگوں کا ایك رائے
پر اجتماع تھا ، اس کے بعد

فان تبذل المال یا امیرالمومنین	اختلاف پیدا ہوا ، نیتیں
یمیل الیك اعناق الرجال وتصف	ضعیف ہوگئیں اور تعداد کم
السنتهم لك و یستخلص و دهم	ہوگئی ۔ آپ سب کے ساتھ
صنع الله لك یا امیرالمومنین	عدل کرتے ہیں اور ان کے
وکبت اعداءك و قص جمعهم	ساتھ حق کے مطابق عمل کرتے
و اوهن کیدهم و شتت امورهم	ہیں ، پس وہ آپ کے عدل و
انه بما یعملون خبیر فقال علی	انصاف سے گھبرا اٹھے، (دوسری
علیه السلام اما ما ذکرت من	طرف) ان ترکیبوں اور حکمت
عملنا وسیرتنا بالعدل فان الله	عملیوں کو دیکھا جو معاویہ امیروں
عزوجل یقول من عمل صالحاً	اور شریفوں کے ساتھ کرتا ہے،
فلنفسه ومن اساء فعلیها وما ربك	کیونکہ کم لوگ ایسے ہیں جو
بظلام للعبید وانا من ان اکون	دنیا کے خواہاں نہ ہوں ، اکثر
مقصر فیما ذکرت اخوف اما	تو ایسے ہوتے ہیں جو حق
ماذکرت من ان الحق ثقل علیهم	کو بیچ کر باطل خریدتے ہیں
ففارقونا لذالك فقد علم الله	اور دنیا کو اختیار کرتے ہیں ۔
انهم یفارقونا من جور ولا لجوا	پس اگر آپ بے دریغ مال دنیا
اذ فارقونا الی عدل ولا یلتمسوا	تقسیم فرمائیں (اور جتھہ بند

الا دنیا زایلة عنهم کان قد
فارقوها ولیسألن یوم القیامة الدنیا
ارادوا اولله عملوا واما ما ذکرت
من بدل الاموال و اصطناع
الرجال فانه لا یسعنا ان نوتی
مرأ من الفی اکثر من حقه و
قد قال الله سبحانه و تعالی وقوله
الحق کم من فئة قلیلة غلبت فئة
کثیرة باذن الله والله مع الصابرین
وقد بعث الله محمداً صلی الله علیه
واله وحده فکثره بعد القلة و
اعز فئة بعد الذلة و ان یرد الله
ان یولینا هذا لامر یذل لنا
صعبه ویسهل لنا حزنه وانا قابل
من رایك وما کان الله عزوجل
رضا انت من آمن الناس عندی
انصحهم لی واوثقهم فی نفسی

اور قابو یافته لوگوں کو دوسروں
سے زیاده دین) تو پھر دیکھئے
که لوگوں کی گردنین کس طرح
آپ کی طرف جھکتی هین اور
انکی زبانین آپ کے کیسے گیت
گاتی هیں اور وه کس طرح
آپکے خیرخواه بن جاتے هین،
خدا آپکے امور درست کرے
اور دشمنوں کی جمیعت اور مکر
وفریب کو پراگنده وکمزور
کرے، بیشك خدا ان کے اعمال
سے باخبر هے۔

جناب امیر علیه السلام نے
فرمایا تم نے جو یه کها که هم
عدل و انصاف پر عمل کرتے
هیں (تو اسکی وجه یه هے) که
الله تعالی ارشاد فرماتا هے که

ان شاءاللہ "جو عمل صالح کرتا ہے تو
اپنے نفس کے فائدہ کے لئے اور جو اعمالبد بجا لاتا ہے تو
اس کا وبال اسی کے سر پڑتا ہے، اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں
کرتا،،۔ اگر مین اس مین تقصیر کروں تو ڈرتا ہوں کہ (اسکا
وبال میری گردن پر پڑیگا) اور تم نے یہ جو کہا کہ وہ ہم سے
اس لئے جدا ہوگئے کہ حق ان پر گراں گذرتا ہے تو اللہ جانتا
ہے کہ انھوں نے اس لئے ہم سے مفارقت نہیں کی کہ ہم نے ان پر ظلم
و جور کیا ہو اور یہ بھی نہیں ہے کہ ہم سے جدا ہو کر وہ کسی
عادل کی پناہ میں گئے ہوں۔ ہم سے جدائی کا سبب سوائے
(طلب) دنیا اور کچھ نہین۔ اور یہ دنیا زائل ہونے والی ہے
اور قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائیگا کہ تم نے دنیا کی
خواہش کی تھی یا اللہ کے لئے عمل کیا تھا۔ اب رہا یہ امر
کہ ہم مال و دولت صرف کرکے لوگوں کو (اپنی طرف) مائل
کریں تو ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ مال فے سے کسی کو اس
کے حق سے زیادہ دیں (اب اس انصاف کی وجہ سے ہماری
جمیعت کم ہو جائے تو بلا سے) خداوند عالم فرماتا ہے اور
اسکا فرمان برحق ہے کہ بہت سے کم تعداد گروہ خدا کے حکم سے

کثیر تعداد گروھون پر غالب آ جاتے ھیں، خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ھے ۔ خدا نے حضرت رسالت مآب کو یک و تنھا مبعوث فرما کر بھیجا اور قلت کے بعد انکو کثیرالاعوان بنا دیا اور ان کے گروہ کو ذلت کے بعد عزت بخشی ۔ اگر خدا کو یہ منظور ھے کہ ھمارے امور کی اصلاح کرے تو ان سختیوں کو اللہ آسان کر دے گا اور اسکی مشقتوں کو سہل کر دے گا اور ھم تمھاری وہ رائے قبول کرلیا کرتے ھیں جو خدا کی مرضی کے مطابق ھو ۔ (یاد رکھو) کہ تم ھمارے نزدیک سب سے زیادہ امین ، معتمد علیہ اور خیرخواہ ھو ۔

(۲)

حدود حکومت کی توسیع

اندرونی بغاوتیں اور خانہ جنگیاں روکنے کے لئے

دوسرے ممالک پر حملہ

رسول اسلام کی وفات کے بعد جو نئی حکومت قائم ھوئی اس کو عربوں نے آسانی سے تسلیم نہیں کیا ، اندرونی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کو روکنے اور عربوں کی توجہ دوسری

طرف مبذول کرانے کے لئے ہمسایہ ممالك پر حملہ کرنے کی تجویزیں بروئے کار آئیں ۔ اس طرح گو عرب چند ہی سال کے اندر قیصر و کسری کے ہمسر بن گئے ، ان کا پرچم ایشیا اور افریقہ کے علاوہ یورپ میں بھی لہرانے لگا ، ان کی فوج کا ادنی سے ادنی سپاہی بھی سونے چاندی سے کھیلنے لگا ، مگر دنیا کی نگاہ میں وہ "روحانی پیشوا" "مصلح اخلاق" اور "خیرالامم" ہونے کے بجائے کشورستان اور جہانگیر بن کر رہ گئے ۔ لوٹ مار عربوں کے خمیر میں تھی ، جب اس کو درباری سند بھی حاصل ہو گئی تو پھر اللہ دے اور بندہ لے ۔

آل محمد نے ہمیشہ ان سامراجی جنگوں سے اپنا دامن بچایا ۔ اس کتاب میں جا بجا آپ کی نظر سے گذرے گا کہ وہ علی جو عہد رسول کی مدافعانہ جنگوں مین سب سے آگے رہتے تھے رسول کے بعد کی جارحانہ جنگوں میں بالکل شریك نہیں ہوئے ۔ ان کے بعد ان کی اولاد میں جو آئمہ طاہرین گذرے انھوں نے بھی مسلمان بادشاہوں کی کشور ستانیوں میں کوئی حصہ نہیں لیا ۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اسلام بادشاہتیں

اور حکومتیں قائم کرنے کے لئے نہیں آیا۔ اس کا مقصد یه نہیں ھے که عربوں کو ان کے سامراجی عزائم میں مدد دے اور بقیه قوموں کو ان کا غلام بنا دے۔

تاریخ اسلام کا بغور مطالعه کیجئے اور عهد رسول کی مدافعانه جنگوں کے علل و نتائج کا مقابله بعد کی جنگوں کے علل و نتائج سے کیجئے تو معلوم ھو جائے گا که اول الذکر لڑائیاں حفظ جان و مال کی خاطر لڑی گئی تھیں۔ اور آخرالذکر کی ته میں سنہری اور روپہلی مصلحتیں پوشیده تھیں۔

از بس که اس مبحث پر اس کتاب میں جا بجا کافی بحث کی گئی ھے اس لئے اس مقام پر ھم زیاده تفصیل کرنا نہیں چاھتے۔

آل محمد کے نظریات

(۱) آل محمد قرآن کو سر چشمۂ هدایت سمجھتے تھے اور انسانی سوسائٹی کے قیام کے لئے اس کے بتائے ھوئے قوانین کو کافی اور مفید خیال کرتے تھے۔ رسول کریم کا اسوۂ حسنہ ان کے نزدیك ان قوانین کی تفسیر تھا، اور کسی انسان کو

خواہ وہ کتنا ھی بڑا کیوں نہ ھو قانون‌سازی کا حق حاصل نہ تھا ۔

(۲) ان کا نظریہ یہ تھا کہ حکومت کی طرف سے جو مال تقسیم کیا جائے وہ سب کو برابر برابر ملے ، طبقات و مدارج کا لحاظ بالکل نہ کیا جائے ۔

(۳) مسلمانوں کو لوٹ مار یا جہاں گیری ، کشورستانی اور تبلیغ دین کے لئے تلوار نہ اٹھانا چاھئے ، وہ صرف دفاع کے لئے لڑ سکتے ھیں ۔

(٤) جس طرح تہذیب نفس اور تدبیرمنزل کے لئے مکر و فریب مضر ھے اسی طرح سیاست مدن کے لئے بھی سم قاتل ھے۔ ھر چند کہ اس کی مدد سے وقتی کامیابی نصیب ھو جاتی ھے مگر یہ کاغذ کی ناؤ زیادہ دیر نہیں چلتی ۔

(٥) ان کا خیال تھا کہ رعایا کے ساتھ (عام اس سے کہ وہ مسلم ھو یا غیرمسلم) عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے ۔

آل محمد کے معاصر بادشاہ ان نظریوں سے اتفاق نہیں رکھتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر کی وفات کے بعد عبدالرحمن بن عوف نے حضرت علی سے کہا کہ :

اولیك ان تحکم بکتاب الله
و سنت رسوله و سیرت الشیخین
فقال علی احکم بکتاب الله و
سنة رسوله و اجتهد رائی ـ
(شرح فقه الاکبر صفحه ۸۰)

میں آپ کو اس شرط پر والی
بنا تا ھوں که آپ کتاب خدا،
سنت رسول اور سیرت شیخین
کے مطابق فیصله فرمایا کریں گے
تو حضرت علی نے کہا که میں
صرف کتاب الله اور سنت رسول کے مطابق اور اسکے بعد
اپنے اجتهاد کے مطابق فیصلے کیا کروں گا ـ

علامه ابن ابی الحدید معتزلی نے مقدمه شرح نهج البلاغه
میں لکھا ھے ـ

انما قال اعداءه لارای له لانه
کان متقیداً بالشریعة لا یری
خلافها ولا یعمل بما یقتضی
الدین تحریمه . . . . . . وغیره
من الخلفاء کان یعمل بمقتضی
ما یستصلحه و یستوقفه سواء
کان مطابقاً للشرع اولم یکن،

حضرت علی کے دشمن یه
کہتے ھیں که وه صائب الرائے
نه تھے، بات یه ھے که وه پابند
شرع تھے، اسکے خلاف کرنا
جائز نه جانتے تھے اور وه
باتیں نه کرتے تھے جو از
روئے دین حرام ھوں . . . .
دوسرے خلفاء اس طرح پابند نه تھے، وه مصلحت وقت کے

مطابق عمل کر تے تھے، خواہ شریعت کے موافق ہو یا نہ ہو۔

اب اس کے بعد ہم حضرت علی علیہ‌السلام کا ایک مشہور فرمان درج کر تے ہیں ، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اگر آل محمد کو جہاں بانی کا موقع مل جاتا تو وہ حکومت کو کس ڈھنگ پر چلا تے۔

نظام حکومت اسلامی

—— : : ——

حضرت علی علیه‌السلام کا ایك مشهور فرمان

هـــذا ما امر به عبـدالله علی امیرالمومنین مالك ابن الحارث الاشتر فی عهده‌الیه حین ولاه مصر جبـایة خراجها و جهـاد عدوها واستصلاح اهلها وعمارة بلادها

یه وه عهد هے جسکو پورا کرنے کا بنـدهٔ خـدا عـلی امیرالـمومنین نے مـالك بن حـارث اشتر کو مصر کا والی بناتے وقت حکم دیا (فرائض انکے یه تهے) کد وه اس ملك کا خراج وصول کرین، اسکے دشمنوں سے جهاد کرین، وهان کے باشندوں کی اصلاح کریں اور اسکے شہروں کو آباد کرین ـ

۱-

امره بـتقوی الله و ایـثـار طاعته و اتبـاع ما امربه فی کـتا به من فرائضه و سننه التی لا یسعد احد الا باتباعها ولا

مین ان کو حکم دیتـا هون که خدا سے ڈرین اور اس کی اطاعت کو مقدم رکھین اور ان واجب اور سنت احکام کا اتباع

يشقي الامع جحودها واضاعتها	کرین جن کا حکم اس نے اپنی
و ان ینصراللہ بقلبه ویدہ و	کتاب میں دیا ھے کہ کوئی
لسانه فانه جل اسمه قد تکفل	شخص بغیر اس کے اتباع کے
بنصر من نصرہ و اعزاز من	(معراج) سعادت پر فائز نہین
اعزہ	ہو سکتا اور اسکا انکار کرنے

اور اس کو ضائع کرنے ھی سے شقی ہو تا ھے ۔ اور (یہ بھی حکم دیتا ھوں) کہ اپنے دل ، ھاتھ اور زباں سے اللہ کی نصرت کریں ۔ پس جو اسکی نصرت کرے اسکی نصرت کا اور جو اسکی عزت ملحوظ رکھے اس کے اعزاز کا وہ متکفل ھوتا ھے ۔

—۲

و امرہ ان یکسر نفسه	مین حکم دیتا ھوں کہ شہوات
من الشهوات و یزعها عند	کی طرف مائل ھو تے وقت
الجمحات فان النفس امارة	اپنے نفس کی قوتوں کو توڑ
بالسوء الا مارحمه الله	دیں اور سرکشی کر تے وقت

اسکو (منازعت و مخالفت) سے باز رکھیں کیونکہ نفس ھمیشه برائی کا حکم دینے والا ھے مگر یہ کہ جب خدا اپنا رحم وکرم فرمائے ۔

—٣

ثم اعلم يا مالك انى قد وجهتك الى بلاد قد جرت عليها دول قبلك من عدل و جور وان الناس ينظرون من امورك فى مثل ما كنت تنظر فيه من امور الولاة قبلك، ويقولون فيك ما كنت تقول فيهم

اے مالك ! يه سمجھ لو كه مين تمكو ان شہروں كی طرف بھیج رہا ہوں جہاں تمسے پہلے صاحب عدل اور صاحب جور حكومتیں گذر چكی ہیں، (یاد ركھو) كه لوگ تمہارے امور كو بھی اسی طرح دیكھیں گے جس طرح تم اپنے پیش‌رو والیان ملك كے امور كو دیكھتے رہے ہو اور تمہاری بابت بھی وہی باتین كہیں گے جو تم (گذشته حكام) كی بابت كہتے رہے ہو۔

وانما يستدل على الصالحين بما يجرى الله لهم على السن عباده فليكن احب الذخائر اليك ذخيرة العمل الصالح فاملك هواك وشح بنفسك اعمالا يحل لك فان الشح بالنفس

اور صالحین (كی صلاحیت) پر اسی (ذكر جمیل) سے استدلال كیا جاتا ہے جو الله زبان خلق پر جاری كر دیتا ہے۔ پس چاہئے كه عمل صالح كا ذخیره تمہارے نزدیك محبوب ترین

الا نصاف منها فیما احبت و اکرهت و اشعر قلبك الرحمة للرعية والمحبة لهم واللطف بهم ولا تکونن علیهم سبعا ضاریا تغتنم اکلهم فانهم صنفان: اما اخ لك فی الدین او نظیر لك فی الخلق، یفرط منهم الزلل، و تعرض لهم العلل، و یوتی علی ایدیهم فی العمد والخطاء فاعطهم من عفوك وصفحك ومثل الذی تحب ان یعطیك الله من عفوه و صفحه فانك فوقهم و والی الامر علیك فوقك والله فوق من ولاك و قد استکفاك امرهم و ابتلاك لهم۔

ذخیرہ ہو۔ اپنی خواهشات نفسانی پر قابو رکھو اور ان چیزوں سے جو تمهارے لئے حلال نہ هوں اپنے نفس کو باز رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس جن امور کو پسند کرتا ہو اور جن سے اسکو نفرت ہو انکی نسبت اس کو انصاف پر مائل کرو۔ اور اپنے دل میں رعیت پر لطف و محبت اور مہربانی کرنے کا جذب و احساس پیدا کرو اور اور ان کے ساتھ ضرر رساں درندہ کا سا سلوک نہ کرو جو ان کو کھا لینا هی غنیمت سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان میں دو هی قسم کے لوگ هیں یا تو تمهارے دینی بھائی یا وہ لوگ جو (چھرے مہرے، هاتھ

پاؤں اور جسم) کی بناوٹ کے لحاظ سے تم ھی جیسے انسان ھیں ،
(تمھاری طرح) ان سے بھی لغزشیں ھو جاتی ھیں، اور ان کو
بھی (خطا و نسیاں اور سہو و عصیاں) کی بیماریاں لاحق
ھو تی ھیں اور ان سے بھی عمداً یا سہواً برائیاں سرزد ھو جاتی
ھیں ۔ پس تم ان کو اسی طرح معاف کردیا کرو اور درگزر کر تے
رھو جس طرح تم چاھتے ھو کہ خدا تمکو معاف کردے اور
تمھاری (برائیوں) کو درگذر کرے ۔ (اس دنیا مین ایك کے
اوپر دوسرا نگراں موجود ھے) تم ان لوگوں پر (حاکم) ھو، تمھارا
امیر تم پر (نگران) ھے اور خدا اس پر بھی (حاکم) ھے جس نے
تم کو والی بنایا ھے، ان کے امور کا متکفل کیا ھے اور ان کے
ذریعه سے تمھاری آزمائش کرنی چا ھی ھے ۔

ولا تنصب نفسك لحرب الله فانه
لا يدى لك بنقمته و لا غنى
بك من عفوه ورحمة ولا تندمن
على عفو ولا تبجحن بعقوبة
ولاتسرعن الى بادرة وجدت
منها مندوحة ، ولاتقولن انى

اور (قوانین فطرت اور احکام)
خدا سے جنگ مول لیکر اپنے
نفس کو تعب مین نه ڈالو
کیونکه تمھارے اندر نه اس
کے عذاب کو دفع کرنے کی
طاقت ھے، نه اس کے عفو و

ءومر آمر فاطاع فان ذالك
ادغال فى القلب و منهكة للدين
و تقرب من الغير و اذا احدث
لك ما انت فيه من سلطانك
ابهة او مخيلة فانظر الى عظم
ملك الله فوقك و قدرته منك
على ما تقدر عليه من نفسك
فان ذالك يطا من اليك من
طماحك و يكف عنك من
غربك و يفيءُ اليك بما عزب
عنك من عقلك ـ

رحمت سے مستغنی ہونے کی
قوت ۔ (کسی کو معاف کر
کے) نادم و شرمندہ نہ ہو، اور
(کسی کو)سزا دے کر خوش
نہ ہو اور (غصہ میں) کوئی
ایسی بات یا کام کرنے میں
جلدی نہ کرو جسکے ترک کی
گنجایش ہو، اور یہ نہ کہتے
پھرو کہ مین امیر ہوں، حاکم
ہوں، میری اطاعت لازم ہے۔
کیونکہ اس سے قلب فاسد
اور دین کمزور ہوتا ہے۔ اور تغیرات دنیا قریب آجاتے
ہیں ۔ اور جب کبھی ریاست و امارت تمھارے دل میں تکبر
اور گھمنڈ پیدا کرے تو غور کرو کہ تمھارے اوپر اللہ کی
حکومت کتنی عظیم الشان ہے اور خود تمھارے نفس کی ان
باتوں پر وہ قدرت و تصرف رکھتا ہے جو تم نہین رکھتے ۔
اس سے تمھارا جوش نخوت کم اور حدت سطوت رك جائے گی،

اور گئی ہوئی عقل واپس آجائے گی۔

٤—

ایاك و مساماة الله فی عظمته والتشبہ به فی جبروته فان الله یذل کل جبار و یهین کل محتال
دیکھنا! عظمت و اقتدار میں خدا کے مقابل اور سطوت و جبروت میں اس کے مشابہ بننے سے بچتے رہنا کیونکہ وہ ہر جبار کو ذلیل اور ہر متکبر کو خوار کر دیتا ہے۔

٥—

انصف الله و انصف الناس من نفسك و من خاصة اهلك و من لك هوی من رعیتك
اپنے نفس، اپنے خاص اعزا و اقارب اور ان افراد رعیت کے مقابلے میں جن کی طرف تمکو خاص میلان طبع ہو خدا اور عامة الناس کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھو : :

فانك الا تفعل تظلم! و من ظلم عباد الله کان الله خصمه دون
اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظالم ٹھہرو گے اور جو شخص بندوں

: : مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے نفس یا اپنے عزیزوں اور منظور نظر افراد رعایا کی خاطر تم حقوق عباد کو ضائع و برباد کرو کہ بحر دنیا میں یہی تین چٹانین ہین جن سے ٹکرا کر عدل و انصاف کے جہاز پاش پاش ہوا کرتے ہیں۔

عباده و من خاصمه الله اوحض حجته و كان الله حربا حتى ينزع و يتوب و ليس شيء ادعى الى تغير نعمة الله و تعجل نقمه من اقامة على ظلم، فان الله سميع دعوة المضطهدين و هو للظالمين بالمرصاد

پر ظلم کرتا ہے خدا خود اپنے بندوں کی طرف سے اس کا مخالف بن جاتا ہے اور جس سے وہ مخالفت و مخاصمت کرے اس کی حجت کو وہ باطل کر دیتا ہے اور جب تک وہ اپنے ظلم سے باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے وہ اس سے بر سر جنگ رہتا ہے اور ظلم سے زیادہ کوئی چیز اس کی نعمت کو بدلنے اور اس کے عذاب کو قریب کردینے والی نہیں ہے کیونکہ وہ مظلوموں کی دعاؤں کو سننے والا ہے اور ظالموں کی گھات میں رہتا ہے۔

٦- جمہور کی رضامندی

و ليكن احب الامور اليك اوسطها فى الحق واعمها فى العدل واجمعها لرضى الرعية فان سخط العامة يجحف برضى الخاصة و ان سخط الخاصة يغتفر مع

اور تم کو وہی امر سب سے زیادہ پسند ہونا چاہئے جو بلحاظ حق سب سے زیادہ وسط میں واقع ہو، بلحاظ عدل سب سے زیادہ عمومیت

رضاالعامه و لیس احد من الرعیة	رکھتا ہو اور رعایا :: کی
اثقل علی الوالی مؤونة فی الرخاء	رضامندی کا سب سے زیادہ
و اقل معونة له فی البلاء و اکره	جامع ہو، کیونکہ عامۃالناس
للانصاف و اسائل بالالحاف	کی ناراضگی خواص کی رضامندی
و اقل شکراً عندالاعطاء و ابطاء	کو بے اثر و بے سود بنادیتی
عذراً عندالمنع و اضعف صبراً	ہے، اور عامۃ الناس کی
عندملمات الدھر من اھل الخاصة	رضامندی کے ساتھ خواص کی
وانما عماد الدین وجماع المسلمین	ناراضگی ناقابل التفات ھوجاتی
و العدة للاعداء العامة من الامة	ہے ۔ تمام رعایا میں طبقۂ
فلیکن صفوك لھم ومیلك معھم	خواص سے زیادہ (حسب ذیل

براتیاں) رکھنے والا اور کوئی نہیں ھوتا ۔

(۱) خوش حالی کے وقت والی کے لئے سب سے زیادہ بارخاطر ۔

(۲) مصیبت کے وقت سب سے کم مدد کرنے والا ۔

:: مطلب یہ ھے کہ تمھارا طرز حکومت ایسا ہو جو عامۃالناس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے ۔ تاکہ وہ تم کو محبوب سمجھنے لگیں ، کہ اصل مین حکومت کی بقا عامۃالناس ھی کی خوشنودی پر مبنی ھے ۔

(٣) انصاف و عدل سے نفرت کرنے والا ۔

(٤) سوال کرنے میں بیحد اصرار کرنے والا ۔

(٥) اگر عطیات ملیں تو سب سے کم شکر گذار ۔

(٦) نه ملیں تو قبول عذر میں بهت سست ۔

(٧) حوادث زمانه پر سب سے کم صبر کرنے والا ۔

(طبقه خاص کا تو یه حال هے ، بر خلاف اس کے)
عامة‌الناس ستون دین اور نظام مسلمین هوتے هیں ، دشمنوں کے مقابلے میں تیار فوج کا کام دیتے هیں ۔ پس تمهارا رجحانِ خاطر اور میلانِ طبع انهی کی طرف هونا چاهئے ۔

۷- چغل خور سے بچو

ولیكن ابعد رعیتك منك و	تم کو چاهئے که رعیت کا جو
اشناءهم عندك اطلبهم لمعائب	آدمی لوگوں کی عیب جوئی
الناس فان فی‌الناس عیوبا	میں زیادہ مشغول رهتا هو اس
الوالی احق من سترها فلا	کو اپنے پاس سے بهت دور
تكشفن عما غاب عنك منها	رکهو ، کیونکه لوگوں میں
فانما علیك تطهیر ما ظهرلك	عیوب تو ضرور هوتے هیں ۔
والله یحكم علی ماغاب عنك	اور والی سے زیادہ ان عیوب

فاسترالعورة ما استطعت یسترالله کی پردہ پوشی کا حق کس
منك ماتحب سترہ من کو ھو سکتا ھے - پس جو
رعیتك - عیوب تمھاری نظر سے پوشیدہ
ھیں ان کی تلاش نہ کرو، کیونکہ تم پر تو انہی عیوب
کا ازالہ کرنا فرض ھے جو ظاھر ھوں اور جو تمھاری نظر سے
پوشیدہ ھوں ان کا فیصلہ خداوند عالم کرے گا - پس حتی الامکان
لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالو، تاکہ خدا بھی تمھارے وہ
عیوب چھپائے جن کو تم رعیت سے مخفی رکھنا چاھتے ھو -

۸ -

اطلق عن الناس عقدۃ کل حقد لوگوں کے (دلوں سے) ھرقسم
و اقطع عنك سبب کل وتر کے حسد اور کینہ کی گرہ کھولتے
و تغاب عن کل مالا یصح لك اور ھر طرح کی عداوت کے
ولا تعجلن الی تصدیق ساع سبب کو دفع کرتے رھو اور
فان الساعی غاش و ان تشبه جو امور تمھارے لئے مناسب
بالناصحین - نہیں ان کو نظر انداز ھی کرتے
رھو اور چغل خور کی باتوں کی تصدیق کرنے میں جلدی نہ کرو
کیونکہ ایسا شخص دل کا کھوٹا ضرور ھوتا ھے اگرچہ وہ

ناصح (مشفق) ھی کے لباس میں کیوں نہ نظر آئے۔

۹۔ مشیر کیسا ھونا چاھئے ؟

ولا تدخلن فی مشورتك بخيلا يعدل بك عن الفضل و يعدك الفقر ولا جبانا يضعفك عن الامور ولا حريصاً يزين لك الشره بالجور فان البخل والجبن والحرص غرائز شتی يجمعها سوء الظن بالله ـ

اپنے مشورہ میں اس بخیل کو ھرگز داخل نہ کرو جو تم کو (رعایا پر) تفضل کرنے سے روکے اور فقیر ھوجانے کا خوف دلائے۔ اور نہ اس بزدل کو (شریک کرو) جو تم کو انصرام امور میں کمزور بنائے اور نہ اس حریص کو (شریک کرو) جو حرص و طمع کو تمھاری نگاہ میں زینت دے۔ بات یہ ھے کہ بخل ، جبن اور حرص ھیں تو مختلف طبعی (خصائل) مگر ان کا جامع (اور قدر مشترک) اللہ کی طرف سے سوءظن : : ھے۔

۱۰۔ انتخاب وزراء

ان شر وزرائك من كان

تمھارا سب سے برا وزیر وہ

: : مطلب یہ ھے کہ جو شخص خدا کے فضل و کرم اور اسکی قدرت کاملہ کا یقین نہین رکھتا وھی ان بری عادتون کا شکار ھوتا ھے۔

للاشرار قبلك وزيراً ومن
شركهم فى الاثام فلا يكونن
لك بطانة فانهم اعوان الاثمه
و اخوان الظلمة و انت واجد
منهم خيرالخلف ممن له مثل
ارائهم و نفاذهم و ليس عليه
مثل اصارهم و اوزارهم ممن
لم يعاون ظالماً على ظلمه ولا اثماً
على اثمه اولئك اخف عليك
مؤونة و احسن لك معونة و
احنى عليك عطفا و اقل لغيرك
الفاً فاتخذ اولئك خاصة
لخلواتك و حفلاتك ثم ليكن
آثرهم عندك اقولهم بمرالحق
لك و اقلهم مساعدة فيما يكون
منك مما كره الله لاوليائه واقعاً
من هواك حيث وقع ـ

شخص ھوگا جو تم سے پہلے
اشرار کا وزیر اور معاصی میں
ان کا شریك رہ چکا ھو، پس
لازم ھے کہ وہ تمہارے خواص
میں داخل نہ ھونے پائے ،
کیونکہ ایسے لوگ گنہگاروں
کے مددگار اور ظالموں کے
بھائی ھوتے ھیں، تم کو ان
کے اخلاف میں وہ لوگ مل
سکتے ھیں جو انھی کی طرح
صاحب الرائے اور صاحب نفوذ و
اثرھوں اور ان کی طرح گناھوں
کا بار بھی اپنی گردن پر نہ
رکھتے ھوں (یہ ایسے لوگ
ھوں گے) کہ انھوں نے کسی
ظالم کی مدد ظلم میں اور کسی
گنہ گار کی تائید اس کے گناہ

میں نہ کی ہو گی، وہ لوگ تمھارے لئے نہایت سبک بار، اچھے مددگار، اور سب سے زیادہ مہربان ثابت ہوں گے، ان کو تمھارے اغیار سے بہت کم الفت ہو گی، پس تم انہی لوگوں کو خلوت اور جلوت میں خاص ہم نشین بناؤ، اور ان میں سے بھی اس شخص کو ترجیح دو جو حق کی تلخ باتیں سب سے زیادہ کہنے والا ہو اور ایسے امور میں تمھاری مساعدت سب سے کم کرنے والا ہو جن کو خداوند عالم اپنے دوستوں کے لئے پسند نہیں کرتا خواہ وہ تمھاری خواہش دل کے کتنا ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔

۱۱ - خوشامد پسند نہ بنو

والصق باهل الورع والصدق
ثم رضهم على ان لا يطروك
ولا يبجحوك بباطل لم تفعله فان
كثرة الاطراء تحدث الزهو
وتدني من العزة

اہل ورع و صدق سے ملو اور ان کو اس کا عادی بنالو کہ تمھاری زیادہ تعریف نہ کیا کریں اور کسی ایسے کام کو جو تم نے کیا نہ ہو جھوٹ موٹ تمھاری طرف منسوب کر کے تمھارا دل خوش نہ کریں؛ کیوں کہ مدح و ثنا کی کثرت عجب و نخوت پیدا کرتی ہے اور کبر و غرور سے قریب کر دیتی ہے۔

۱۲- اچھے اور برے کا فرق —

ولا یکون المحسن و المسئی	نیك عمل اور بدکار دونوں
عندك بمنزلة سواء فان فی	تمھارے نزدیك برابر نه هوں
ذالك تزهیداً لاهل الاحسان	اس لئے که ایسا کرنا نیکوں
فی الاحسان و تدریبا لاهل	کو اچھے کام سے روگردان
الاساءة علی الاساءة والزم	اور بدکاروں کو برے کام
کلامنهم ما الزم نفسه	کا خوگر بنادیتا ھے؛ اس لئے
	هر شخص کو اسی:: (چیز) کا مستحق قرار دو جس کو
	اس نے اپنے نفس کے لئے لازم کرلیا ھے۔

۱۳- حسن ظن کیونکر پیدا هوسکتا ھے ؟

واعلم انه لیس شئی بادعی الی	یه جان لو که اس سے زیاده
حسن ظن راع برعیته من احسانه	کوئی شئ حاکم کے دل میں
الیهم و تخفیفه المؤونات	رعیت کی طرف سے حسن ظن
علیهم و ترك استکراهه	پیدا کرنے والی نہیں ھے که وه

:: مطلب یه ھے که اچھے عمل والے کو انعام و اکرام کا مستحق ٹھیراؤ که دوسروں کو عمل صالح کی ترغیب هو اور بداعمال کو سزا دو که اسکو دیکھ کر اور لوگ عبرت حاصل کریں ۔

ایاهم علی ما لیس قبلهم فلیکن منك فی ذالك امر یجمع لك به حسن الظن برعیتك فان حسن الظن یقطع عنك نصبا طویلا و ان احق من حسن ظنك به لمن حسن بلاؤك عنده و ان احق من ساء ظنك به لمن ساء بلاؤك عنده ـ

ان کے ساتھ احسان کرے اور ان کے بار کو هلکا کرتا رهے، اور ایسے امور پر انکو مجبور کرنا چھوڑ دے جو ان کے بس کے نہین هین ـ پس تم سے وهی بات ظاهر هو جو تمهارے دل مین رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کرسکے، یه حسن ظن تمهارے بهت سے تعب کو دور کردے گا اور فی‌الحقیقت وهی شخص تمهارے حسن ظن کا زیاده حقدار هے جس کے ساتھ تم نے نیك سلوك کیا هے اور سوء ظن کا حقدار وه هے جس کے ساتھ تم نے براسلوك کیا هے : :

١٤ ـ قدامت پسندی اور تجدد

ولا تنقض سنة صالحة عمل بها صدور هذه الامة و اجتمعت

اور تم اس اچھی سنت (طریقه وقاعده) کو نه توڑو جس پر

: : مطلب یه هے که تم همدردی کی امید اسی سے رکھ سکتے هو جس سے تم نے نیك سلوك کیا هو، جس کے ساتھ برائی کی هے اس سے سوائے برائی کے تم کو اور کیا حاصل هو سکتا هے ـ

بها الالفة و صلحت عليها الرعية ولا تحدثن سنة تضر بشيء من ماضي تلك السنن فيكون الاجر لمن سنها و الوزر عليك بما نقضت منها

اس امت کے اگلے لوگ عمل کرتے رہے ہیں، جس سے امت کے درمیان رشتہ الفت قائم ہے اور جس پر رعیت کی صلح و صفائی کا مدار ہے۔

اور کوئی نیا طریقہ ایسا نہ ایجاد کرو جو (ان اچھی) سنن قدیمہ میں سے کسی کو نقصان پہنچائے کیونکہ اجر تو اس کو ملے گا جس نے یہ سنت جاری کی تھی، اور اس کو توڑ دینے کا سارا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

۱۵-

و اکثر مدارسة العلماء و منافثة الحکماء فی تثبیت ما صلح علیه امر بلادك و اقامة ما استقام به الناس قبلك

اور ان امور کے ثابت و قائم رکھنے کے لئے جن کی وجہ سے تم سے پہلے (اس ملک کے) شہروں کے معاملات روبہ اصلاح رہے اور (وہاں رہنے والے) لوگوں کی خوش حالی قائم رہی، علماء و حکماء سے بکثرت صلاح و مشورہ کرتے رہا کرو۔

١٦- طبقات رعایا

واعلم ان الرعیة طبقات لا یصلح	واضح هو که رعیت کے کئی
بعضها الا ببعضٍ ولاغنی	طبقے هوتے هیں (ان کے
ببعضها عن بعض فمنها جنودك	درمیان رشتۂ اتحاد و سلسلۂ
و منها کتاب العامه والخاصه	احتیاج اس طرح قائم هے که)
و منها قضاة العدل و منها	ایك کے بغیر دوسرے کی
عمال الانصاف والرفق ومنها اهل	اصلاح حال نہیں هو سکتی
الجزیه و الخراج من اهل الذمة	اور نه ایك دوسرے سے کبھی
ومسلمة الناس ومنها التجار واهل	مستغنی هو سکتا هے (اب
الصناعات و منها طبقة السفلی	ان طبقات کی تفصیل سنئے)
من ذوی الحاجة والمسکنة وکلا	(١) فوج اور پولیس (٢) عام
قد سمی الله سهمه و وضع علی	کاتب (General Secretaries)
حده فریضه فی کتابه او سنة	(٣) خاص کاتب (Private
نبیه صلی الله علیه واله عهداً منه	Secretaries) :: (٤) قاضی
عند نا محفوظاً	(Judges) (٥) اور محکمه عدل

کے دوسرے عمال (Judicial Officers) (٦) ذمی اور همارے

:: اس زمانه میں کاتب سکریٹری کو کہتے تھے۔

حلقه اطاعت میں آئے ہوئے لوگ جو جزیہ اور خراج ادا کر تے
ہیں (۷) تجار (۸) اہل صنعت و حرفت (۹) سوسائٹی کا
پست ترین طبقہ یعنی محتاج و مساکین ۔ خداوند عالم نے ان میں
سے ہر طبقہ کا علیحدہ علیحدہ حق (Right) اور فریضہ
(Obligation) اپنی کتاب یا اپنے نبی (صلی‌اللہ‌علیہ‌والہ) کی
سنت میں مقرر فرمایا ہے : اور یہ بطور اس کے عہد محفوظ کے
ہمارے پاس موجود ہے ۔

۱۷ ۔ لشکر

فالجنود باذن‌الله حصون‌الرعیه
وزین‌الولاة وعزالدین وسبل
الامن ولیس تقوم‌الرعیة الا بهم
ثم لاقوام للجنود الا بما
یخرج‌الله لهم من الخراج الذی
یقوون به علی جهادعدوهم
ویعتمدون علیه فیما یصلحهم
ویکون من وراءحاجاتهم
ثم لاقوام لهذین الصنفین الا

فوج اور پولیس اللہ کے حکم سے
رعیت کے لئے قلعہ اور جائے
محفوظ، والی کی زینت اور دین
کے لئے باعث عزت اور سبیل
امن و امان ہوتی ہے ۔ رعیت
(کی اجتماعی و تمدنی حالت)
بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی؛
اور یہ فوجیں بغیر اس خراج
کے قائم نہیں رہ سکتیں جو

بالصف الثالث من القضاة والعمال والكتاب لما يحكمون من المعاقد و يجمعون من المنافع و يؤتمنون عليه من خواص الامور وعوامها ـ ولا قوام لهم جميعاً الا بالتجار و ذوی الصناعات فيما يجتمعون عليه من مرافقهم و يقيمونه من اسواقهم و يكفونهم من الترفق بايديهم ما لا يبلغه رفق غيرهم ثم الطبقه السفلى من اهل الحاجة والمسكنة الذين يحق رفدهم و معونتهم و فى الله لكل سعة ولكل على الوالى حق بقدر ما يصلحه وليس يخرج الوالى من حقيقة ما الزمه الله من ذالك الا بالاهتمام والاستعانة بالله

خدا نے ان کے لئے معین کیا ھے، اس سے وہ دشمن سے لڑنے مین قوت پاتی ھین اور اس کے وسیله سے اپنے مصالح ولوازم کو مہیا کرتی ھیں؛ اور یه ان کی تمام حاجتوں کو پورا کرتا ھے ـ پھر یه دونوں طبقے (یعنی رعایا اور فوج) بغیر تیسرے طبقه یعنی قضاة، عمال اور کاتب لوگوں کی مدد کے قائم نہیں رہ سکتے، کیونکه (اول الذکر) ان کے معاملات کا فیصله کرتے ھیں، (ثانی الذکر) ان کے لئے ھر طرح کے منافع جمع کرتے ھیں اور (ثالث الذکر) ان کے جمله امور خاص و عام کے امین ھوتے ھیں ـ

وتوطینہ نفسه علی لزوم الحق (قضاۃ، عمال و کتاب) سب
والصبر علیه فیماخف علیه کے سب بغیر تجار اور اھل
او ثقل ۔ صنعت و حرفت کے قائم نہیں
رہ سکتے، کیونکہ تاجر اپنے منافع کے لئے مجتمع ہوتے ھیں
اور بازار قائم کرتے ھیں، اھل صنعت اپنے ھاتھوں کی کاریگری
سے سوسائٹی کی ایسی مدد کرتے ھیں کہ دوسروں کا اکتساب
اور کاریگری اس کی حد تك نہیں پہنچ سکتی - رھا سب سے
پست طبقہ محتاج و مساکین کا تو ان کی اعانت و دستگیری کرنا
فرض ھے؛ اللہ نے ھر ایك کو وسعت عطا کی ھے اور بقدر اپنی
صلاحیت کے ھر ایك کا والی پر حق ھے ۔ اور والی بغیر اس
کے کہ اھتمام بلیغ کرے اور خدا سے مدد چاھے اور اپنے
نفس کو حق پر قائم رکھنے اور ھر ایك سبك و گراں امر
پر صبر وشکر کی قوت پیدا کرے، ان تمام فرائض کو جو
خدا نے اس پر لازم کئے ھیں پورا پورا ادا کر کے بری الذمہ
نہیں ھوسکتا۔

فول من جنودك انصحهم اپنی فوجوں پر اس شخص کو
فی نفسك للہ و لرسوله و افسر مقرر کرو جو تمھارے

ولاامامك وانقاهم جيبا و افضلهم
حلماً ممن يبطئ عن الغضب و
يستريح الى العذر ويرافُ بالضعفاء
و ينبو على الا قوياء و ممن
لا يثيره العنف ولا يقعدبه
الضعف ـ

خیال میں اللہ، اس کے رسول
اور تمہارے امام سے بنسبت
دوسروں کے زیادہ اخلاص
رکھتا ہو، سب سے زیادہ
صاف باطن ہو اور بلحاظ
حلم و عقل سب سے افضل
ہو؛ اس کو دیر میں غصہ آتا ہو، اور عذر قبول کرلیتا ہو،
ضعیفوں پر مہربان، اور قوی لوگوں پر سخت ہو، قساوت قلب
کی وجہ سے تند مزاج، اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہوجاتا ہو۔

ثم الحق بذوی الا حساب
و اهل البیوتات الصالحة
والسوابق الحسنه ثم اهل النجدة
والشجاعة والسخاء والسماحة
فانهم جماع من الكرم و شعب
من العرف ثم تفقد من امورهم
ما يتفقدالوالدان من ولدهما
و لا يتفاقمن فی نفسك شئ

(فوج میں اچھے سپاہیوں کی
بھرتی اور افسروں کے انتخاب
و تقرر کے لئے ضروری ہے کہ)
ان لوگوں سے اختلاط و ارتباط
رکھو جو صاحبان حسب و
نسب، شریف خاندان اور
خوبیوں کی طرف سبقت کرنے
والے ہوں (یا جن کی سابقہ

قویتهم به ولا تحقرن لطفا تعاهدتهم به وان قل، فانه داعیة لهم الی بذل النصیحة لك و حسن الظن بك ولا تدع تفقد لطیف امورهم اتکالاً علی جسیمها فان للیسیر من لطفك موضعا ینتفعون به وللجسیم موقعاً لا یستغنون عنه

خدمات کا ریکارڈ عمدہ ہو) اور ان لوگوں سے بھی ربط ضبط رکھو جو اہل شجاعت و سخاوت ہوں کہ یہی لوگ مجمع مکارم اور فروع حسنات ہوتے ہین۔ ان لوگوں کے امور کی ایسی دیکھ بھال کرتے رہو جیسے والدین اپنی اولاد کی (نگہداشت) کرتے ہیں؛ اور تم اپنے دل مین کسی ایسی چیز کو جس کے ذریعہ سے تم نے ان کو قوت پہنچائی ہے بڑا نہ سمجھو (کہ وہ اس سے بڑے احسان کے اہل ہین) اور کسی مہربانی کو جو تم نے ان کے ساتھ کی ہو حقیر نہ سمجھو اگرچہ (واقعی) وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ بھی ان کے دل میں تمہاری طرف سے خلوص و حسن ظن پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

و لیکن آثر رؤس جندك عندك من واساهم فی معونته

اور ان کے چھوٹے چھوٹے امور کی خبرگیری کرنا اس

و افضل عليهم من جدته
بما يسعهم و يسع من ورائهم
من خلوف اهليهم حتى يكون
همهم هماً واحداً فى جهادالعدو
فان عطفك عليهم يعطف قلوبهم
عليك و ان افضل قرةعين
الولاة استقامه العدل فى البلاد
و ظهور مودةالرعية و انه لا
تظهر مودتهم الا بسلامة صدورهم
ولا تصح نصيحتهم الا بحيطتهم
على ولاة امرهم و قلة استثقال
دولهم و ترك استبطاء انقطاع
مدتهم فافسح فى امالهم و واصل
فى حسن الثناء عليهم وتعديدما ابلى
ذووالبلاء منهم فان كثرةالذكر
لحسن افعالهم تهز الشجاع
و تحرض الناكل انشاءالله

بھروسہ پر نہ چھوڑو کہ تم نے
ان کے بڑے امور کی دیکھ
بھال کرلی ہے، کیونکہ تمہاری
تھوڑی مہربانی بھی بر محل
ہوتی ہے کہ اس سے وہ منتفع
ہوتے ہین، اور بڑی عنایت
بھی باموقع ہوتی ہے جس
سے وہ بے نیاز نہین ہوسکتے۔
اور فوج کے افسرون مین سے
اسی کو تمہارے حضور مین
ترجیح ہونی چاہئے جو
(فوجیون) کی غمخواری کرتا
ہو، اور اپنے مال و دولت سے
ان کو اتنا فیض پہنچاتا ہو
کہ ان کے لئے اور ان کے اہل
و عیال کے لئے جن کو وہ
پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں

کافی ہوسکے ، یہاں تك کہ ان کو ایك ہی فکر باقی رہ جائے یعنی دشمن سے جہاد ، اور بس : ان کے حال پر تمہاری یہ توجہ ان کے قلوب کو تمہاری طرف مائل کرے گی ۔

اور والیان ملك کے لئے بہترین خنکئ چشم (اور مسرتِ قلب) کا باعث یہی ہے کہ شہروں میں عدل و انصاف قائم ہو، اور رعیت کی مودت و محبت ظاہر ہونے لگے، اور جب تك ان کے دل سالم اور (صاف) نہ ہوں ان کی طرف سے محبت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور ان کا اخلاص اس وقت تك درست (و قابل اعتبار نہیں ہو سکتا) جب تك کہ وہ اپنے والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں، اس کے عہدِ دولت کو گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دیں کہ اس کی مدتِ حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی : پس تم ان کی امیدوں کو پورا کرنے میں وسعت سے کام لو اور برابر ان کی مدح و ثنا کرتے رہو، اور ان کے بہادروں نے جو بڑے بڑے کام انجام دئے ہوں ان کا ایك ایك کر کے شمار و اظہار کرتے رہو، کیونکہ اچھے کار ناموں کا بکثرت ذکر کرنا شجاع کو حرکت میں لائے گا اور پست ہمت کو جراءت دلائے گا انشاءاللہ ۔

ثم اعرف لكل امرء منهم ما ابلى
ولا تضيفن بلاء امرء الى
غيره ولا تقصرن به دون غاية
بلائه ولا يدعونك شرف
امرء الى ان تعظم من بلائه
ما كان صغيراً ولا ضعة امرء الى
ان تستصغر من بلائه ما كان
عظيما واردد الى الله و رسوله
ما يضلعك من الخطوب ويشتبه
عليك من الامور فقد قال الله
تعالى لقوم احب ارشادهم
" يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله
و اطيعوا الرسول و اولى الامر
منكم فان تنازعتم فى شئ فردوه
الى الله والرسول "

پھر یہ واقفیت حاصل کرتے
رهو که کس نے کونسا بڑا کام
انجام دیا ہے؟ اور ایك کے
کارنامے کو دوسرے کی طرف
منسوب نہ کرو اور اس کارنامے
کی وجه سے وہ جس انعام و
اکرام کا مستحق هو اس میں
کمی نہ کرو۔ (اور دیکھنا ایسا
نہ ہو کہ) کسی آدمی کی
وجاهت و شرافت تم کو اس
طرف مائل کردے کہ تم اس
کے چھوٹے کاموں کو بڑا
سمجھنے لگو اور کسی کی
کم حیثیتی اس بات کی ترغیب
دلائے که تم اس کے بڑے
کاموں کو بھی حقیر جاننے لگو۔ اور جو نا گھانی مشکلات تم
کو پیش آئیں اور جن امور میں تم کو شك و شبه لاحق هو ان کو

خدا اور اس کے رسول کی طرف رد کردیا کرو، کیونکه
خداوند عالم نے ان لوگوں کی بابت جن کو وه راه هدایت دکھانا
چاهتا هے فرمایا هے "اے ایمان والو! الله کی اطاعت کرو، اس
کے رسول کی اور جو تم میں سے صاحبِ امر هوں ان کی اطاعت
کرو، پس اگر کسی چیز پر تم مین تنازعه هو جائے تو الله اور
رسول کی طرف اس کو رد کر دو"۔

فالرد الی الله الاخذ بمحکم کتابه والرد الی الرسول الاخذ بسنته الجامعة غیر المفرقه۔
خدا کی طرف رد کرنے کا مطلب یه هے که اس کی محکم کتاب سے احکام لئے جائیں
اور رسول کی طرف رد کرنے سے یه مقصد هے که ان کی ایسی
سنت پر عمل کیا جائے جو متفق علیه هے، نه که ایسی سنت
جس میں اختلاف هے۔

۱۸ - محکمة قضا

ثم اختر للحکم بین الناس افضل رعیتك فی نفسك ممن لا تضیق به الامور ولا تمحکه الخصوم ولا یتمادی فی الزلة
لوگوں کے درمیان فیصله کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمهارے خیال میں تمهاری ساری رعیت میں افضل

ولا يحصر من الفئ الى الحق
اذا عرفه ولا تشرف نفسه على
طمع ولا يكتفى بادنى فهم
دون اقصاه و اوقفهم فى الشبهات
اخذهم بالحجج و اقلهم تبرما
بمراجعة الخصم و اصبرهم على
تكشف الامور و اصرمهم عند
اتضاح الحكم ممن لا يزدهيه اطراء
ولا يستميله اغراء و اولئك قليل
ثم اكثر تعاهد قضائه و
افسح له فى البذل ما يزيل
علته و تقل معه حاجته الى الناس
واعطه من المنزلة لديك ما لا
يطمع فيه غيره من خاصتك
ليا من بذالك اغتيال الرجال له
عندك فانظر فى ذالك نظراً
بليغا فان هذا الدّين قد كان

هو ، معاملات (کی پیچیدگی)
اس کو تنگی میں نہ ڈالتی ہو ۔
جھگڑا کرنے والوں (کی رد و
قدح) اس کو غضبناك نہ کرتی
ہو ، اور وہ خطا پر (اس کے
ظاہر ہونے کے بعد) قائم نہ
رہتا ہو اور حق پر مطلع
ہوجانے کے بعد اس کی طرف
بازگشت کرلینے سے تنگ دل
نہ ہوتا ہو ، اور اپنے نفس
کو طمع (کے غار) میں نہ
گرا دیتا ہو ، اور معاملات میں
انتہائے فہم سے کام لینے کے
بجائے (سرسری نظر اور)
معمولی فہم پر اکتفا نہ کرتا
ہو ، مواقع شبہات میں (جہاں
کوئی نصِ صریح نہ مل سکے

اسیراً فی ایدی الاشرار یعمل فیه بالهوی و تطلب به الدنیا ۔ اٹکل پچو حکم صادر کرنے والا نه هو بلکه) سب سے زیادہ توقف و تامل کرنے والا هو، اور اپنے (فیصلوں میں) دلائل (شرعیه) و براهین (قطعیه) سے تمسك کرنے والا هو، مقدمه لڑنے والے کی جواب دهی سے بہت کم تنگ دل اور حقائق امور کو منکشف کرلینے (کی زحمت) پر صبر کرنے والا، اور حکم صحیح کے ظاهر هو جانے کے بعد (نزاع و خصومت) کو قطع کر دینے والا هو ۔ وہ ان لوگوں مین سے هو جو دوسروں کے مدح و ثنا (اور خوشامد) کرنے سے پھول نه جاتے هوں اور کسی کے ابھارنے سے (ناحق کرنے پر) مائل نه هو جاتے هوں، (دنیا مین) ایسے لوگ بہت کم هوتے هیں؛ پھر تم (اس کی طرف سے غافل نه رهو بلکه) اس کے فیصلوں کی اکثر دیکھ بھال کرتے رهو، اور اس کے ساتھ بذل و عطا میں اتنی وسعت دو که اس کی ضرورتین پوری هوجائین اور اس کو لوگوں کی احتیاج باقی نه رهے (اور طبیعت رشوت ستانی پر مائل نه هو) اپنے نزدیك اس کو وہ قرب و منزلت عطا کرو که جسکی تمهارے خواص مین سے کوئی دوسرا طمع نه کرسکتا هو،

تا کہ وہ تمہارے ہاں لوگوں کی بدگوئی سے محفوظ رہے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر خوب غور و فکر کرو، کیونکہ یہ دین پہلے اشرار کے ہاتھوں میں گرفتار تھا، ہوائے نفس کے حکم کے مطابق اس پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا اور اس کو طلبِ دنیا کا وسیلہ بنایا جاتا تھا۔

۱۹ ۔ عمالِ سلطنت

ثم انظر فی امور عمالک فاستعملهم اختباراً ولا تولهم محاباة و اثرة فانهم جماع من شعب الجور والخیانة و توخ منهم اهل التجربة والحیاء من اهل البیوتات الصالحة والقدم فی الاسلام المتقدمة فانهم اکرم اخلاقا واصح اعراضا و اقل فی المطامع اشرافاً و ابلغ فی عواقب الامور نظراً ثم اسبغ علیهم الارزاق فان ذالک قوة

اب اپنے عاملوں کے امور پر غور کرو، (دیکھنا) ان کا تقرر جانچنے پرکھنے کے بعد کرنا، (ایسا نہ ہو کہ) اپنے استبداد اور خودرائی سے محض بطور پرورش و اعانت کسی کو حاکم مقرر کردو (کیونکہ کسی خصوصیت کی بنا پر یا بطور پرورش اپنی رائے سے حاکم مقرر کردینا) طرح طرح کی خیانت اور ظلم و

لهم علی استصلاح انفسهم
و غنی لهم عن تناول ما تحت
ایدیهم وحجة علیهم ان
خالفوا امرك وثلموا امانتك
ثم تفقد اعمالهم وابعث
العیون من اهل الصدق والوفاء
علیهم فان تعاهدك فی السر
لامورهم حدوة لهم علی استعمال
الامانته والرفق بالرعیة و تحفظ
من الاعوان فان احد منهم
بسط یده الی خیانة اجتمعت
بها علیه عندك اخبار عیونك
اکتفیت بذالك شاهداً
فبسطت علیه العقوبة فی بدنه
واخذته بما اصاب من عمله
ثم نصبته بمقام المذلته و
وسمته بالخیانة وقلدته عارالتهمة

جور کو جمع کردیتا ہے۔
(ان عہدوں کے لئے) ایسے
لوگوں کو تلاش کرو جو
شریف خاندان اور سابق
الاسلام ہونے کے ساتھ
ساتھ تجربہ کار اور حیادار
بھی ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ
سب سے زیادہ خوش اخلاق،
آبرودار، مواقع طمع کی
طرف بہت کم نگاہ ڈالنے والے
اور عواقب و نتائج امور پر
گہری نظر ڈالنے والے ہوتے
ہیں، تم ان و پورا پورا
رزق عطا کرو کیونکہ اس
کی بدولت انہیں اپنے نفس
کے لئے طلب اصلاح کی قوت
اور اپنے قبضہ میں رہنے والے

اموال پر تصرف کرنے سے استغنا حاصل ہو جائے گا: اور (اس کے باوجود) اگر وہ تمہارے حکم کی مخالفت کریں اور تمہاری امانت میں خیانت کریں تو تم کو ان پر ایک حجت ہاتھ آجائے گی۔ اور (یہ نہ ہو کہ تم ان کا تقرر کر کے بالکل غافل ہو جاؤ) بلکہ ان کے کاموں کے متعلق تجسس و تفتیش بھی کرتے رہو اور ایسے (جاسوس اور) نگراں ان پر مقرر کردو جو صاحب صدق و وفا ہوں: ان کے امور (کی جانچ) کے لئے خفیہ پولیس کا مقرر کردینا ان کو امانت داری اور رعیت کے ساتھ رفق و مدارا کرنے پر آمادہ کرتا رہے گا۔ پس ان میں سے اگر کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے پاس تمہارے جاسوسوں کی متفقہ رپورٹ پہنچ جائے تو اس کو کافی شہادت تصور کر کے خائن کو جسمانی سزا دو اور جو کچھ اس نے (ناجائز) تصرف کیا ہے وہ اس سے وصول کر لو، پھر اس کو ذلت و خواری کے مقام پر کھڑا کر کے خیانت کا داغ لگادو اور ننگ و عار کا طوق اس کے گلے میں ڈال دو۔

۲۰ ۔ صیغۂ مال گذاری Revenue Department

وتفقد امر الخراج بما یصلح پھر معاملات خراج کی چھان بین

اهله فان فی صلاحه و صلاحهم
صلاحاً لمن سواهم ؛ ولا صلاح
لمن سواهم الا بهم لان الناس
کلهم عیال علی الخراج واهله.
ولیکن نظرك فی عمارة الارض
ابلغ من نظرك فی استجلاب
الخراج لان ذالك لا یدرك
الا بالعمارة. ومن طلب الخراج
بغیر عمارة اخرب البلاد و
اهلك العباد ولم یستقم امره
الا قلیلا. فان شکوا ثقلا او علة
او انقطاع شرب او بالة او
احالة ارض اغتمرها غرق
او اجحف بها عطش خففت
عنهم بما ترجو ان یصلح به
امرهم ولا یثقلن علیك شئ
خففت به المؤونة عنهم فانه

اس طریقه سے کرو جو
اهل خراج کی بهبودی کا
باعث هو سکے. کیونکه خراج
اور اهل خراج هی کی بهبودی
کے ساتهه دوسروں کی بهبودی
وابسته هے، اور انهی کے
ذریعه سے دوسروں کی حالت
درست هو سکتی هے. کیونکه
کل آدمیوں کی معیشت اور
گذر بسر کا دارومدار خراج
اور اهل خراج پر هے ۔ اور
(دیکهنا) خراج وصول کرنے
سے زیاده تمهاری نظر زمین
کی آبادی (یعنی کاشت وغیره)
پر هونی چاهئے، اس لئے که
خراج بغیر آبادی کے نہیں حاصل
هو سکتا ۔ اور جس نے

ذخر يعودون به عليك فى عمارة
بلادك و تزيين ولايتك مع
استجلابك حسن ثنائهم
و تبجحك باستفاضة العدل فيهم
معتمداً فضل قوتهم بماذخرتَ
عندهم من اجمامك لهم والثقة
منهم بما عودتهم من عدلك
عليهم فى رفقك بهم، فربما حدث
من الامور ما اذا عولت فيه
عليهم من بعد احتملوه طيبة
انفسهم به فان العمران محتمل
ما حملته ، وانما يؤتى خراب
الارض من اعواز اهلها ، وانما
يعوز اهلها لاشراف انفس
الولاة على الجمع و سوء ظنهم
بالبقاء و قلة انتفاعهم بالعبر

زمین کو آباد کئے بغیر خراج
طلب کیا اس نے ملك کو
خراب اور بندگانِ خدا کو
برباد کیا ، اور اس کی
حکومت چند دن سے زیادہ
نہ چل سکی ، اگر (کاشتکار)
مقدار خراج کے بھاری ہونے
یا کسی آفت ناگہانی اور
زراعتی بیماری (یعنی ٹڈی دل
کا گرنا، کیڑا لگ جانا وغیرہ)
یا آبپاشی کے بند ہو جانے ،
بارش نہ ہونے ، زمین کے
غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب
نہ ہو سکنے سے بوئے ہوئے
بیج کے خراب ہوجانے کی
شکایت کریں تو (ان کے
خراج) سے اتنی مقدار جس سے ان کی اصلاحِ حال کی توقع

ھی کم کردو؛ یہ تخفیف تم پر گراں نہ گذرے، کیونکہ یہ ایک ذخیرہ (investment) ھے جسکو وہ تمھارے ملک کی آبادی اور ولایت کی زیب و زینت کی شکل میں تم کو واپس کردیں گے۔ اس کے ساتھ ھی ساتھ تم کو ان کی مدح و ثنا بھی حاصل ھوگی اور ان میں عدل و انصاف جاری کرنے سے تم کو مسرت و شادمانی بھی نصیب ھوگی۔ ان کو راحت پہنچاکر جو کچھ تم نے ان کے پاس ذخیرہ (Invest) کیا ھے وہ (خوش‌حالی اور فراوانی کے زمانہ میں) ان کی بچی ھوئی روزی سے وصول کر کے (عندالضرورت) سہارا بناسکوگے: ان کے ساتھ نرمی کر کے اور ان کو اپنے عدل و انصاف کا عادی بنا کر ان کا اعتماد بھی حاصل کرلوگے۔ اس کے بعد اگر ناگہانی امور پیش آئیں گے اور تم ان سے مدد طلب کروگے تو وہ بخوشی اس کا بار اٹھا لیں گے، کیونکہ (ملک کی) آبادی و خوش حالی ھر بار اٹھا سکتی ھے، اور زمیں والوں کا افلاس ھی زمین کی تباھی کا باعث ھوتا ھے۔ اور افلاس کا سبب یہ ھوتا ھے کہ حکام کے نفوس (مال و دولت) جمع کرنے پر مائل ھوجاتے ھیں، ان کو اپنے (عہدوں پر) باقی رھنے کا اطمینان

نہین رهتا اور (زمانے کے) عبرت ناك (واقعات) سے وہ بہت
کم نفع حاصل کرتے هین ۔

۲۱ - Secretariat

ثم انظر فى حال كتابك فول
على امورك خيرهم و اخصص
رسائلك التى تدخل فيها
مكائدك و اسرارك با جمعهم
لوجوه صالح الاخلاق ممن
لا تبطره الكرامة فيجترئ بها
عليك فى خلاف لك بحضرة
ملاء ولاتقصر بهالغفلة عن
ايراد مكاتبات عمالك و اصدار
جواباتها على الصواب عنك
فيما ياخذ لك و يعطى منك
ولا يضعف عقداً اعتقده لك
ولا يعجز عن اطلاق ما عقد
عليك ولا يجهل مبلغ قدر

پھر تم اپنے کاتبوں (دبیروں،
سکریٹریوں) کے حالات پر
نظر کرو، ان میں سے بہتر
شخص کو اپنے (خاص) امور
پر معین کرو، اور ان خطوط
و رسائل کو جن میں اپنی
پوشیدہ تدابیر و اسرار درج
کرتے ہو اسی کے ساتھ
مخصوص رکھو جو صاحبِ
اخلاق حسنہ ہو، اور عزت
وکرامت اس کو اتنا مغرور نہ
کردے کہ مجمع عام میں تمہاری
مخالفت کربیٹھے اور غفلت
کی وجہ سے تمہارے عمال کے

نفسه فى الامور فان الجاهل
بقدر نفسه يكون بقدر غيره
اجهل ثم لا يكن اختيارك
اياهم على فراستك و استنامتك
و حسن الظن منك فان الرجال
يتعرفون لفراسات الولاة
بتصنعهم و حسن خدمتهم
و ليس وراء ذالك من النصيحة
والديانة شئ ولكن اختبرهم
بما ولوا للصالحين قبلك فاعمد
لاحسنهم كان فى العامة اثراً
و اعرفهم بالامانة وجها فان
ذالك دليل على نصيحتك لله
و لمن وليت امره واجعل
لراس كل امر من امورك
راساً منهم لا تقهره كبيرها
ولا يتشتت عليه كثيرها ومهما

عریضے پیش کرنے اور
تمہاری طرف سے جو کچھ
لین دین کرتا ہو اس کے
متعلق تمہاری طرف سے مناسب
جوابات صادر کرنے میں
کوتاہی نہ کرتا ہو، اور تمہارے
لئے کسی سے کوئی کمزور معاملہ
نہ کرتا ہو اور نہ کسی ایسے
معاملے کے فسخ کردینے سے
عاجز ہو جو تمہارے لئے مضر
ہو، اور اس حقیقت سے
بے خبر نہ ہو کہ (نظم و
نسق) امور میں میرے نفس
کی رسائی کس حد تک ہے،
کیونکہ جو اپنے نفس کی
قدر و قیمت سے ناواقف ہے
وہ دوسرے کی قدر سے کیا

کان فی کتابك من عیب واقف ھو گا، (تم کو چاھئے
فتغابیت عنه الزمته ۔ که) محض اپنی عقل و فراست،
اعتماد اور حسن ظن کی بنا پر ان کا انتخاب نه کرو کیونکه
(بسا اوقات) لوگ محض تصنع اور حسن خدمت (چاپلوسی)
ھی کو حکام کی نظرِ فراست میں تعارف اور روشناسی کا
ذریعه بناتے ھیں، حالانکه باطن میں اخلاص و دیانت کا پته
بھی نہیں ھوتا، پس ان کا انتخاب ان خدمات کی بناپر کرو
جو انھوں نے تم سے پہلے گذرے ھوئے صالح (حکام) کے
لئے انجام دی ھیں، اس شخص کو (مقرر کرنے کا) قصد کرو
جو عامة الناس مین سب سے زیادہ با اثر اور امانت داری میں
مشہور ھو۔ تمھارا یه طرز عمل اس بات کی دلیل ھوگا که
تم خداوند عالم اور اس (امام) کے مخلص ھو جس نے تم کو
والی مقرر کیا ھے۔ اور اپنے (سکریٹیریٹ) کے ھر صیغه کا
افسر ایسے آدمی کو بناؤ جو بڑے کاموں سے مغلوب اور ان کی
کثرت کے سبب ان کے منضبط و محفوظ رکھنے سے عاجز نه ھو۔
پس جب تمھارے کاتبوں میں نقص ھوگا اور تم اس سے
تغافل کرو گے تو اس کا الزام تمھارے ذمه عائد ھوگا۔

۲۲ - تجار و صناع

ثم استوص بالتجار و ذوی الصناعات و اوص بهم خیراً المقیم منهم والمضطرب بما له والمترفق ببدنه فانهم موادالمنافع و اسباب المرافق و جلابها من المباعد والمطارح فی برك و بحرك و سهلك و جبلك و حیث لا یلتئم الناس لمواضعها ولا یجترؤن علیها فانهم سلم لا تخاف بائقته و صالح ولا تخشی غائلته و تفقد امورهم بحضرتك و فی حواشی بلادك واعلم مع ذالك ان فی کثیر منهم ضیقاً فاحشاً و شحا قبیحا احتکاراً للمنافع و تحکما فی البیاعات و ذالك باب مضرة

پھر تم سوداگروں کی بابت، عام اس سے کہ وہ مقیم ہوں یا مال لیکر شہروں میں پھرنے والے ہوں، نیز اہل صنعت و حرفت کی بابت (جو اپنے ہاتھ پاؤں ہلاکر روزی کماتے ہیں) سفارش قبول کرو اور اپنے (عمال) کو ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرو، کیونکہ (تجار اور صناع) یہی لوگ منافع کے مواد اور فوائد کے اسباب ہیں۔ ان کو وہ دور دست مقامات، بر و بحر، دشت و کوہ سے کھینچ کر لاتے ہیں، جہاں دوسرے لوگ جمع

للعامة و عيب على الولاة فامنع
من لاحتكار فان رسول الله
صلى الله عليه واله منع منه
وليكن البيع بيعاً سمحاً بموازين
عدل و اسعار لاتجحف
بالفريقين من البائع والمبتاع فمن
قارف حكرة بعد نهيك اياه
فنكل به وعاقبه فی غیراسراف

نہیں ہوتے اور جانے کی
جراءت نہیں کرسکتے۔ اس کے
ساتھ ساتھ وہ لوگ ایسے امن
دوست اور صلح پسند ہوتے
ہیں کہ تم کو ان سے کسی
آفت کا خطرہ اور شر وفساد
کا خوف نہین ہوسکتا۔
لہذا تم ان کے امور کی تفتیش
ونگرانی اپنے سامنے اور اطراف بلاد میں کرتے رہو۔ مگر اس
کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ ان میں سے اکثر
لوگوں مین بلا کی تنگ دلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی
موجود ہوتی ہے، نفع کمانے کے لئے احتکار :: کرتے ہیں اور
بیچنے مین تحکم کرتے ہیں (یعنی کم تولتے ہیں اور دام زیادہ
لیتے ہیں) یہ امر عامۃالناس کے لئے نقصان رساں اور حکام
کے لئے عیب ہے۔ پس تم ان کو احتکار سے باز رکھو کیونکہ
رسول خدا نے اس سے ممانعت فرمائی ہے؛ اور چاہئے کہ

:: احتکار۔ مال کو اس امید مین روکے رکھنا کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کرینگے۔

خرید و فروخت سہل اور موازین عدل :: کے مطابق ھو اور
ایسے نرخ پر ھو جو فریقین میں سے کسی کو خسارہ مین نہ رکھے۔
جو شخص تمھاری طرف سے ممانعت صادر ھونے کے بعد بھی
احتکار کا مرتکب ھو اس کو تعزیر اور سزا دو، مگر دیکھنا اس
میں بھی ظلم و زیادتی نہ ھو۔

۲۳۔ سماج کا سب سے پست طبقہ

ثم اللہ اللہ فی الطبقة السفلی	پھر خدا سے اس طبقہ ادنی کی
من الذین لا حیلة لھم	بابت ڈرو جو بیچارہ لوگون،
والمساکین و المحتاجین	مسکینون ، فقیرون ، بیمارون
و اھل البؤسی و الزمنی فان	اور اپاھجوں پر مشتمل ھے
فی ھذہ الطبقه قانعاً و معتراً	کہ اس طبقہ مین (دونوں ھی
واحفظ للہ مااستحفظك من	طرح کے لوگ ھوتےھیں)قناعت
حقه فیھم و اجعل لھم قسمامن	پیشہ بھی اور مانگنے والے
بیت مالك و قسما من غلات	بھی، ان کے لئے اللہ کا وہ حق
صوافی الاسلام فی کل بلد	محفوظ رکھو جس کی حفاظت
فان للاقصی منھم مثل الذی	کا اس نے تم کو حکم دیا ھے

:: یعنی ترازو ٹھیک ھو اور باٹ پورے ھوں۔

للادنی و کل قد استرعیت
حقه فلایشغلنك عنهم بطر
فانك لا تعذر بتضییعك
التافه لاحکامك الکثیر المهم
فلا تشخص همك عنهم
ولاتصعرخدك لهم و تفقد امور
من لایصل الیك منهم
ممن تقتحمه العیون و تحقره
الرجال ففرغ لاولئك ثقتك
من اهل الخشیه و التواضع
فلیرفع الیك امورهم ثم اعمل
فیهم بالاعذار الی الله یوم تلقاه
فان هؤلاء من بین الرعیة احوج
الی الانصاف من غیرهم و کل
فاعذرالی الله فی تادیة حقه
الیه و تعهد اهل الیتم و ذوی
الرقة فی السن ممن لاحیلة له

(ان کی امداد دو مدوں سے
کرو) ایك تو اپنے بیت المال
سے اور ایك هر خطه کی ان
زمینوں کے غلوں سے جو
غنیمت میں حاصل هوئی هیں۔
کیوں که ان میں دور رهنے
والوں کا بهی ویسا هی حق
هےجیسا قریب رهنے والوں کا ،
اور تم هر ایك کے حق کے
نگراں و محافظ بنائے گئے هو ،
پس (نعمت اور دولت کا)غرور
تم کو غافل نه کرے ، کیوں که
صرف اس وجه سے که تم اهم
امور کو محکم طور پر سرانجام
دے چکے هو قلیل و حقیر امور
کو ضائع کردینے پر معذور نهیں
سمجھے جاسکتے ، پس تم ان

ولا ينصب للمسألة نفسه و ذالك على الولاة ثقيل و قد يخففه الله على اقوام طلبوا العاقبة فصبروا انفسهم و وثقوا بصدق موعود الله لهم

کی جانب سے اپنی توجہ کو نہ ہٹاؤ اور اپنا چہرہ ان کی طرف سے نہ موڑو اور ان میں سے جو لوگ تم تک نہ پہونچ سکتے ہوں ، جن کو انکھیں دیکھنا پسند نہ کرتی ہوں اور لوگ ان کو حقیر جانتے ہوں ان کے امور کا تجسس کرو اور ان کی خبرگیری کے لئے اپنے معتمد لوگوں میں سے (ایسے اشخاص) کو (دوسرے کاموں سے) فارغ کردو جو خدا کا خوف اور تواضع کی عادت رکھتے ہوں کہ وہ خبریں تم تک پہونچائیں ، پھر تم ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جس دن تم خدا کے (دربار میں) شرف باریابی حاصل کرو تو (اسکے سامنے) عذر و معذرت پیش کرسکو ۔

تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں ۔ لہذا ہر ایک کا حق اس کو ادا کرکے خدا کے سامنے (پیش کرنے کے لئے) عذر مہیا کرلو ۔ اور ان یتیموں اور سن رسیدہ لوگوں کی خبرگیری کرو جو نہ خود (اپنی معاش

کے لئے) کوئی حیله رکھتے هیں اور نه دست سوال پھیلانے
کے لئے دوسروں کے آگے کھڑے هوتے هیں ۔ یه امر
(عام طور پر) والیوں کے لئے گراں هوتا هے ، مگر الله نے ان
قومون کے لئے آسان کردیا هے جو اخرت کی طالب هوکر
اپنے نفوس کو (جفاکشی) پر صابر بناتی هیں ، اور جو
وعدے الله نے ان سے کئے هیں ان پر بھروسا رکھتی هیں ۔

۲٤۔ دربارِ عام

واجعل لذوی الحاجات منك
قسما تفرغ لهم فيه شخصك و
تجلس لهم مجلساً عاماً فتتواضع
فيه للهالذی خلقك و تقعد عنهم
جندك واعوانك من احراسك
و شرطك حتی يكلمك متكلمهم
غير متتعتع فانی سمعت رسول
الله صلی الله عليه و اله
يقول فی غير موطن لن تقدس
امة لا يوخذ للضعيف فيها من

اور (اپنے اوقات کا) ایک
حصه اهل حاجت کے لئے
مخصوص کردو جس میں تم
اپنی ذات کو (دوسرےکاموں
سے) فارغ کرلو اور ایک
مجلس عام میں آبیٹھو اور
اس خدا کی خوشنودی کے
لئے جس نے تم کو خلق کیا
هے اس مجلس عام مین
متواضع اور منکسر المزاج

القوی غیر متعتع ثم احتمل
الخرق منهم والعی و نح عنهم
الضیق والانف یبسط الله
علیك بذالك اکناف رحمة
و یوجب لك ثواب طاعته
و اعط ما اعطیت هنیاً
وامنع فی اجمال و اعذار

رھو۔ اپنی فوج ، پولیس ، اور چوکیداروں کو اھلِ حاجت کے ساتھ تعرض کرنے سے باز رکھو تاکہ بولنے والے بےخوف و دھشت تم سے کلام کرسکیں۔ مین نے بہت سے مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ھے کہ "وہ امت جس میں بے خوف و خطر قوی سے ضعیف کا حق نہیں لیا جاتا خدا کی تقدیس نہیں کرتی"۔ ان کی سخت کلامی و بے زبانی کو برداشت کرو اور تنگ دلی اور استکبار کو ان کی طرف سے دور کرو، ایسا کرنے سے خداوندعالم اپنی رحمت کے اطراف کو تم پر وسیع کرے گا، اور تم کو ثواب طاعت کا مستحق قرار دے گا۔ ان کو جو کچھ دو خوش گوار طریقہ سے دو؛ اور جو کچھ بند کرو اور روکو تو خوبصورتی اور عذر و معذرت کے ساتھ روکو۔

۲۵ -

ثم امور من امورك لابدلك

تمھارے معاملات میں بعض

من مباشرتها منها اجابة عمالك بما يعيا عنه كتابك و منها اصدار حاجات الناس يوم ورودها عليك بما تحرج به صدور اعوانك	ایسے بھی ھوں گے جن کو تمھیں بذات خود انجام دینا پڑے گا، (مثلاً) عمال کے (ایسے مراسلوں کا) جواب دینا جس کے جواب سے

تمھارے سکریٹری (ناواقفیت کی وجہ سے) عاجز ھوں، یا عامتہ الناس کی دن کے دن حاجت روائی کر دینا (کہ اکثر) اس امر سے تمھارا معین و مدد گار عملہ تنگ ھوتا ھے (اور اپنی اغراض کی بنا پر اس کو ٹال دینا چاھتا ھے)

۲٦ -

وامض لكل يوم عمله فان لكل يوم مافيه واجعل لنفسك فيما بينك و بين الله افضل تلك المواقيت و اجزل تلك الاقسام وان كانت كلها لله اذا صلحت فيها النية و سلمت منها الرعية	ھر دن کے لئے مخصوص کام ھوتے ھیں، اس لئے ھر روز کا کام اسی روز تمام کر دیا کرو۔ جو (معاملات) فقط تمھارے اور خدا کے درمیان ھیں ان کو پورا کرنے میں اپنے

اوقات کا افضل واعظم حصہ صرف کرو۔ (اور واقعہ تو یہ ھے)

که اگر تمهاری نیت بخیر هو اور رعیت کو ان سے سلامتی حاصل هو تو تمهارے تمام کام اور اوقات خدا کے لئے هو جائینگے۔

۲۷ - عبادتِ الٰهی

ولیکن فی خاصة ما تخلص به لله دینك اقامته فرائضه التی هی له خاصة فاعط الله من بدنك فی لیلك و نهارك ووفِ ما تقربت به الی الله من ذالك کاملا غیر مثلوم ولا منقوص بالغاً من بدنك ما بلغ واذا قمت فی صلاتك للناس فلا تکونن منفراً ولا مضیعا فان فی الناس من به العلة وله الحاجة وقد ساءلت رسول الله صلعم حین وجهنی الی الیمن کیف اصلی بهم فقال صل بهم کصلاة اضعفهم وکن بالمومنین رحیما

اور لازم هے که ان فرائض کا جو الله کے لئے مخصوص هیں قائم کرنا ان امور میں سے قرار دو جن کے وسیلے سے تم دینی اخلاص حاصل کرنا چاهتے هو۔ پس تم اپنی جسمانی (قوتوں) کا کچھ حصه رات اور دن خدا کی اطاعت میں صرف کرو اور جن اعمال کو تم تقرب خدا کی غرض سے بجا لاتے هو ان کو تمام و کمال بجالاؤ، ناقص و مختل نه رکھو، خواه تمهارے بدن کو کتنا هی تعب کیوں نه پهونچے۔

اور جب لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہو تو اس سے ان کو نفرت دلانے کا سبب نہ بنو اور نہ اسکو ضائع ہی کرو (مطلب یہ ہے کہ نہ اتنا طول دو کہ لوگ گھبرا جائیں، نہ اس قدر اختصار کرو کہ نماز ناقص رہ جائے) کیونکہ جماعت میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو بیمار ہوتے ہیں یا ان کو کوئی کام ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم جب مجھے یمن بھیج رہے تھے اس وقت میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ کس طرح نماز ادا کروں؟ فرمایا کہ اس طرح نماز ادا کرو جیسے کوئی بہت ضعیف انسان ادا کرتا ہے؛ اور مومنین کے حال پر رحم کرو۔

۲۸ - گوشہ نشینی

واما بعد فلاتطولن احتجابك عن رعيتك فان احتجاب الولاة من الرعية شعبه من الضيق و قلة علم بالامور فالاحتجاب منهم يقطع عنهم علم مااحتجبوادونه فيصغر عندهم الكبير و يعظم الصغير و يقبح الحسن و

ان تمام باتوں کے علاوہ یہ خیال رکھو کہ بہت طویل مدت تک رعیت سے چھپے نہ رہا کرو، کیونکہ والی کا رعیت سے مخفی رہنا (امور متعلقه مین) تنگی اور قلتِ اطلاع کا باعث ہوتا ہے

يحسن القبيح و يشاب الحق
بالباطل و انما الوالى بشر لا يعرف
ما توارى عنه الناس به من
الامور و ليست على الحق
سمات تعرف بها ضروب
الصدق من الكذب و انما انت
احد رجلين اما امرء سخت
نفسك بالبذل فى الحق ففيم
احتجابك امن واجب حق
تعطيه او فعل كريم تسديه او
مبتلى بالمنع فما اسرع كف
الناس عن مسائلتك اذا ايسوا
من بذلك مع ان اكثر
حاجات الناس اليك مما لا
مؤونة فيه عليك من شكاة
مظلمة او طلب انصاف فى
معاملة

ان سے حجاب مین رهنا باهر
کی باتوں کے علم کو قطع
کردیتاهے۔ نتیجه یه هوتا هے که
ان کے نزدیک بڑی باتیں
چھوٹی اور چھوٹی باتیں بڑی
هوجاتی هیں ؛ اچھے کام برے
اور بری باتیں اچھی معلوم
هونے لگتی هیں اور حق
باطل سے مخلوط و مشتبه
هوجاتا هے۔ آخر والی بھی بشر
هی هے وه ان امور کو نهیں
جان سکتا جن کو لوگ اس کی
نظروں سے چھپائے رهتے هیں۔
اور حق (کی پیشانی) پر
ایسی کھلی هوئی کوئی علامت
بھی نمودار نهین هوتی که جس
کی وجه سے صدق کی اقسام کو

کذب سے علیحدہ پہچان لیا جائے ۔ ظاہر ھے کہ تم دو میں سے ایک ھی قسم کے آدمی ھو، یا تو ایسے شخص ھو جسکا نفس حقوق عطا کرنے میں سخی ھے تو پھر چھپنے کی وجہ کیا ھے ؟ ایا اس حق واجب کی وجہ سے جس کو تم عطا کر رھے ھو، یا اس اچھے عمل کی وجہ سے جس کی بخشش تم عام کئے ھوئے ھو؟ یا تم بخل کے مرض میں مبتلا ھو ، (اگر ایسا ھے) تو لوگ (دو چار دن آئینگے) پھر مایوس ھو کر جلدھی سوال سے باز آجائیں گے ۔ :: اور پھر لوگوں کی بہت سی حاجتیں ایسی بھی تو ھوتی ھیں جنکا تم پر کوئی بار نہیں پڑتا، جیسے کسی ظالم کی شکایت، یا کسی معاملے میں انصاف چاھنا ۔

۲۹ ۔ اپنے خواص و اقارب کو دوسروں پر مسلط ھونے کا موقع نہ دو

ثم ان للوالی خاصة و بطانة فیهم استئثار و تطاول و قلة

پھر (یہ واضح رھے) کہ والی کے بعض خاص لوگ اور

:: امراء وحکام اسی خوف سے گوشہ نشین رھتے ھیں کہ مستحقین اپنا حق مانگیں گے اور حاجت مند اپنی حاجتیں پیش کریں گے ، پس اگر تم سخی ھو تو تمکو روپوشی کی ضرورت نہیں اور اگر بخیل ھو تو مایوس ھوکر لوگ خود ھی آنا چھوڑدیں گے ۔

انصاف فی معاملة فاحسم مادة
اولئك بقطع اسباب تلك
الاحوال ولا تقطعن لاحد
من حاشيتك وحامتك قطيعة
ولا يطمعن منك فی اعتقاد
عقدة تضربمن يليها من‌الناس
فی شرب اوعمل مشترك
يحملون مؤونة علی غيرهم
فيكون مهناء ذالك لهم دونك
وعيبه عليك فی‌الدينا والاخرة

اقارب ایسے بھی ہوتے ہیں
جن کو دوسرے کی ھانڈی
اتار کر اپنی ھانڈی چڑھانے،
لوگوں (کے اموال پر) دست
درازی کرنے اور معاملات
میں ناانصافی برتنے کی عادت
ھوتی ھے۔ پس ان تمام
(خرابیوں) کے اسباب کو
دفع کر کے ان کے مادۂ
(شر) ھی کو ختم کردو (یعنی
ان کو وہ اختیارات ھی نہ دو جن کی بدولت وہ یہ زیادتیاں
کرسکیں)۔ اپنے حاشیہ نشینوں اور حامیوں کے لئے کوئی
جاگیر نہ مقرر کرو اور ان کو اپنی طرف سے کسی ایسی
جائداد کی طمع نہ دلاؤ جس سے آس پاس کے لوگوں کو
آبپاشی یا کسی اور مشترك کام میں ضرر پہونچنے کا امکان
ھو کہ وہ نقصان کا بار دوسرون کے سر ڈالین گے، اس طرح
خوشگوار فائدہ تو ان کو ھوگا اور دنیا و آخرت مین تم پر

مفت میں اسکا الزام رهے گا۔

۳۰۔

و الزم الحق من لزمه من القریب والبعید و کن فی ذالك صابراً محتسباً واقعا ذالك من قرابتك و خاصتك حیث وقع وابتغ عاقبة بما یثقل علیك منه فان مغبة ذالك محمودة

اور هر اس شخص کے لئے جس پر واجب هو حق کو لازم کرو عام اس سے که یه شخص تم سے قریب هو یا بعید، اور تم مستقل مزاج رهو اور نگراں رهو، خواه اس حق (کا اثر) تمهارے خواص و اقارب هی پر کیوں نه پڑے۔ عاقبت کی بهتری کا قصد کرو که اس وقت تو یه امر تم پر گراں هو گا مگر انجام اسکا بهتر هے۔

۳۱۔ رعایا کے سامنے صفائی پیش کرو

و ان ظنت الرعیة بك حیفا فاصحر لهم بعذرك و اعدل عنك ظنونهم باصحارك فان فی ذالك ریاضة منك لنفسك و رفقا برعیتك و اعذاراً تبلغ به

اور اگر رعیت کو تمهاری طرف کسی ظلم کا سوءظن پیدا هوجائے تو تم اپنا عذر اس کے سامنے ظاهر کرو، اور اس کے شبهات کو دور کر دو، اس

حاجتك من تقویمهم علی‌الحق عذر طلبی سے تمهارے نفس کی ریاضت هوگی، اور رعیت پر مهربانی اور شفقت؛ اور تمهارا یه مقصود بهی پورا هوجائے گا که وه (راه) حق پر قائم هو جائے۔

۳۲۔ دعوتِ صلح

ولا تدفعن صلحاً دعاك	اور تم کسی ایسی (دعوتِ)
الیه عدوك ولله فیه رضاً	صلح کو رد نه کرو جو دشمن
فان فی‌الصلح دعة لجنودك	کی طرف سے پیش هو اور
و راحة من همومك وامناً	خدا کی مرضی اور خوشنودی
لبلادك ولکن الحذر کل‌الحذر	بهی اس مین هو۔ اس لئے که
من عدوك بعد صلحه	صلح سے فوج کو آرام ملے گا،
فان‌العدو ربما قارب لیتغفل	تم کو فکروں سے راحت حاصل
فخذ بالحزم وانهم فی ذالك	هوگی، اور بلادِ (ملك) کو امن
حسن‌الظن وان عقدت بینك	نصیب هوگا۔ لیکن صلح کے
و بین عدوك عقدة او البسته	بعد (دشمن سے غافل نه هو
منك ذمة فحط عهدك بالوفاء	جاؤ بلکه) اس سے پوری طرح
و ادع ذمتك بالامانة واجعل	خائف و محتاط رهو، کیونکه

نفسك جنة دون ما اعطيت فانه ليس من فرائض الله شئ الناس اشد عليه اجتماعاً مع تفرق اهوائهم و تشت ارائهم من تعظيم الوفا بالعهود وقدلزم ذالك المشركون فيما بينهم دون المسلمين لما استوبلوا من عواقب الغدر ولاتغدرن بذمتك ولا تخيسن بعهدك ولا تختلن عدوك فانه لا يجترئ على الله الاجاهل شقی وقد جعل الله عهده و ذمة امنا افضاه بين العباد برحمته و حريما يسكنون الى منعته و يستفيضون الى جواره فلاادغال ولا مدالسة ولاخداع فيه

اکثر دشمن صلح لیکر اس لئے تمہارے پاس آتا ہے کہ غفلت میں تمہارے ساتھ دغا کرے۔ پس تم حزم و احتیاط سے کام لو اور حسن ظن کو اس معامله مین معیوب سمجھو۔ اگر تم اپنے دشمن سے کچھ شرائط طے کرو یا اس سے کوئی معاهده کرو تو وفا کر کے اس کا بار اپنی گردن سے اتارو اور جو ذمه داری تم نے لی ھے اس کا امانت داری کے ساتھ لحاظ کرو، اور جو کچھ تم نے عهد کر لیا ھے اس کی حفاظت کے لئے اپنے نفس کو سپر بناؤ،

کیونکه فرائض الهيه مین وفائے معاهدات سے بڑی کوئی شئ

نہیں ہے جس پر لوگ باوجود خواہشوں کے اختلاف اور رایوں کے افتراق کے اجماع و اتفاق رکھتے ہوں۔ اور اہل اسلام تو کیا مشرکین بھی اپنے باہمی معاہدات کو پورا کرنا لازم سمجھتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عہد شکنی کے نتائج مہلك ہو تے ہیں۔ پس تم جو ذمہ لے لو اس کو نہ چھوڑو، جو عہد کرلو اس میں خیانت نہ کرو، دشمن کو فریب نہ دو، (کیونکہ یہ کام اللہ کے مقابلہ کی جراءت کرنے کے مترادف ہے) اور خدا کے مقابلے کی جراءت بدبخت جاہل کے سوا اور کون کرسکتا ہے۔ خدا نے عہد اور ذمہ داری کو (ذریعہ) امن قرار دیا ہے اور اس کو اپنی رحمت سے بندوں کے درمیان پھیلا دیا ہے، اور ایسا حرم قرار دیا ہے جس کے استحکام کے بھروسہ پر لوگ بستے ہیں اور اس کے جوار کی طرف بڑھتے ہیں۔ پس اس میں کسی طرح دغل، خیانت اور فریب نہ کرو۔

۳۳۔ عہد شکنی

ولا تعقد عقداً تجوز فیہ العلل — اور تم کوئی ایسا معاہدہ نہ
ولاتعولن علی لحن القول بعد — کرو جس میں تاویل کرکے

التاكيد والتوثقة ولا يدعونك
ضيق امر لزمك فيه عهدالله الى
طلب انفساخه بغيرالحق فان
صبرك على ضيق امر ترجو
انفراجه و فضل عاقبته خير من
غدر تخاف تبعته وان تحيط
بك من الله فيه طلبة فلا
تستقيل فيها دنياك ولااخرتك

توڑ دینے کی گنجائش هو
اور اس (عهد نامه) کی تاکید
و توثیق کے بعد (اس کے
خلاف عمل درآمد کرنے کے
لئے) کسی لفظی غلطی کی
طرف مائل نه هو، اور اس
عهد کی وجه سے اگر کسی
امر میں کوئی تنگی پیش آئے
تو وہ تم کو اس عهد کے ناحق فسخ کرنے پر مائل نه کرے،
کیونکه کسی ایسے امر کی تنگی پر تمهارا صابر و شاکر رهنا جس
کے دور هوجانے اور انجام بخیر هونے کی تم کو امید هو اس
عهد شکنی سے بهتر هے جس کے وبال کا تم کو خوف هو۔

۳٤ ۔ فساد و خوں ریزی

اياك والدماء و سفكها بغير
حلها فانه ليس شيئ ادعى
لنقمة ولااعظم لتبعة ولا احرى
بزوال نعمته و انقطاع مدة

ناحق اور ناجائز خوں ریزی
سے بچو کیونکه کوئی امر اس
سے زیاده عذاب لانے والا،
اس سے بڑھ کر وبال کا باعث،

من سفك الدماء بغير حقها
والله تعالى مبتدئ بالحكم بين
العباد فيما تسافكو من الدماء
يوم القيامة فلا تقوين سلطانك
بسفك دم حرامٍ فان ذالك
مما يضعفه و يوهنه بل يزيله
و ينقله ولاعذرلك عندالله
ولا عندى فى قتل العمد لان
فيه قودالبدن وان ابتليت بخطاء
و افرط عليك سوطك او
سيفك او يدك بعقوبةٍ فان
فى الوكزة فما فوقها مقتلة فلا
تطمحن بك نخوة سلطانك
عن تؤدى الى اولياء المقتول
حقهم -

زوال نعمت کرنے والا اور
مدت حکومت ختم کردینے
والا نہیں؛ اور قیامت کے دن
خداوند عالم سب سے پہلے
بندوں کی باهمی خوں ریزی
کا فیصله کرے گا- پس تم
ناجائز خوں ریزی سے اپنی
سلطنت کو قوت دینا نه چاهو
کیونکه وه ضعف و خلل پیدا
کرتی هے، بلکه اس کو فنا اور
(دوسرے کی طرف) منتقل
کردیتی هے- اگر تم عمداً
قتل کرو تو میرے اور خدا
کے نزدیك کوئی عذر پیش نه
کرسکو گے، کیونکه اس میں
جسمانی قصاص لازم هو جاتا هے؛ اور اگر تم غلطی سے اس
میں مبتلا هو جاؤ اور بلا اراده تمهارے تازیانے، تلوار یا هاتھ

سے سزا میں افراط ہو جائے (جو مجرم کو ہلاک کردے) کہ اکثر مکا مارنے یا اس سے کچھ زیادہ سزاؤں کے سبب سے بھی قتل واقع ہو جاتا ہے، تو ایسا نہ ہو کہ اپنی قوت اور حکومت کا غرور تم کو مقتول کے اولیاء (اور وارثوں) کو حقِ دیت ادا کرنے سے روکے۔

۳۵۔

و ایاك والاعجاب بنفسك والثقة بما یعجبك منها وحب الاطراء فان ذالك من اوثق فرص الشیطان فی نفسه لیمحق مایكون من احسان المحسنین

تم اپنے نفس کو اچھا سمجھنے، اس کی کسی بات پر جو تم کو بھلی معلوم ہو بھروسہ کرنے اور مبالغہ آمیز تعریفوں کو پسند کرنے سے احتراز کرو، کیونکہ یہ امر شیطان کو پوری فرصت دیتا ہے کہ وہ انسان کے نفس مین دخل پائے اور نیکون کی نیکی ملیامیٹ کردے۔

۳۶۔ احسان نہ جتاؤ۔ وعدہ خلافی نہ کرو

و ایاك والمن علی رعیتك باحسانك او التزید فیما كان من فعلك او ان تعدهم فتتبع

اور تم رعیت پر احسان جتانے یا اپنے کامون کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے پرہیز کرو

موعدك بخلفك فان المن
يبطل الاحسان والتزيد يذهب
بنورالحق والخلف يوجب المقت
عندالله والناس قال الله تعالى
كبر مقتا عندالله ان تقولوا
ما لا تفعلون ـ

اور خبردار ایسا نه کرو که ان
سے کوئی وعده کرو اور پھر
خلاف وعده کر بیٹھو، کیونکه
احسان جتانا احسان کو
ملیامیٹ کردیتا ھے، اور اپنے
کاموں کو بڑھا چڑھا کر دکھانا
سچائی کی روشنی کو زائل کرتا ھے؛ اور وعده خلافی خدا اور
عامةالناس دونوں کے نزدیك ملامت و سرزنش کا مستحق
بنا دیتی ھے۔ خداوندعالم خود فرماتا ھے ”خدا کے نزدیك یه
امر بڑی سرزنش کا باعث ھے که تم وه باتیں منھ سے کہو
جنکو تم عملی جامه نہیں پہناتے“۔

۳۷ ۔ وقت پر کام کرو

واياك والعجلة فى الامور قبل
اوانها او التسقط فيها عند
امكانها او اللجاجة فيها اذا
تنكرت اوالوهن عنها اذا
استوضحت فضع كل امر موضعه

خبردار! جلدبازی کر کے
کاموں کو ان کے وقت (و موقع)
سے پہلے نه کر ڈالو، اور جب
ان کے ھونے کا امکان
ھو اور موقع آجائے تو ان کے

و اوقع کل امرٍ موقعه — کرنے میں تساهل نه کرو،
اور جب ان کی خرابی معلوم هوجائے تو ان پر اصرار نه کرو،
اور جب ان کا ٹھیک هونا ظاهر هوجائے تو ان کے کرنے میں
سستی نه کرو، هر امر کو اس کے مقام پر رکھو اور هر کام کو
اس کے موقع پر انجام دو۔

۳۸ - تخصیص اور ضبط نفس

و ایاك والاستئثار بماالناس فیه — اور تم کسی ایسی چیز کو
اسوة والتغابی عما تعنی به — اپنے لئے مخصوص نه کرو
مما قد وضح للعیون فانه ماخوذ — جس میں سب لوگوں کے
منك لغیرك و عما قلیل تنکشف — حقوق برابر هوں اور (لوگوں
عنك اغطیة الامور و ینتصف — کے) ان مهتم بالشان امور
منك للمظلوم املك حمیة — میں تغافل کرنے سے پرهیز
انفك و سورة حدك و سطوة — کرو جو نگاهوں کے سامنے
یدك وعزب لسانك و احترس — عیاں هو چکے هیں، کیونکه ان
من کل ذالك بکف البادرة — امور کا تمهارے غیر کے لئے
تاخیر السطوة حتی یسکن — تم سے مواخذه کیا جائے گا
غضبك فتملك الاختیار ولن — اور تھوڑی هی دیر میں جمله

تحکم ذالك من نفسك حتى تكثر همومك بذكرالمعاد الى ربك

امور کے اوپر سے پردے ہٹ جائیں گے اور مظلوم کا انتقام تم سے لے لیا جائے گا۔ اور

اپنے جوش تکبر، ہیجان غضب، ھاتھوں کی سطوت اور زبان کی تیزی کو قابو میں رکھو اور ان سب کے (شر) سے اپنی ذات کا تحفظ کرو، بے اختیار صادر ہونے والے امور کی روك تھام کرو اور حملہ آوری میں تاخیر کرو، یہاں تك کہ تمہارا غصہ ساکن ہو جائے اور تم ضبط پر قابو پاجاؤ؛ اور تم اپنے نفس میں یہ قدرت اس وقت تك پیدا نہیں کر سکتے جب تك اپنے رب کی طرف واپسی کو یاد کرکے اپنی فکروں کو زیادہ نہ کرو۔

۳۹ - ماضی سے سبق لو

والواجب عليك ان تتذكر مامضى لمن تقدمك من حكومة عادلة او سنة فاضلة او اثر نبينا صلعم او فريضة فى كتاب الله فتقتدى بما شاهدت

تمہارے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو یاد رکھو جو تم سے پہلے لوگوں پر گذریں خواہ وہ حکومتِ عادلہ سے متعلق ہوں، یا کسی طریقۂ فاضلہ

مما عملنا به فيها و تجتهد لنفسك
فى اتباع ما عهدت اليك فى
عـهدى هـذا واستوثقت بـه
من الحجة لنفسى عليك لـكيلا
تـكون لك علة عند تسرع
نفسك الى هواها و انا اسأل الله
بسعة رحمته و عظيم قدرته على
اعطاء كل رغبة ان يوفقنى
واياك لما فيه رضاه من الاقامة
على العذر الواضح اليـه والى
خلقه مع حسن الثناء فى العباد
و جميل الاثر فى البلاد و تمام
النعمة و تـضعيف الـكرامـة
و ان يختم لى و لك بالسعادة
والشهادة انا اليه راجعون
والسلام على رسوله صلى الله عليه
وآله الطيبين الطاهرين وسلم

سے ، حـدیث رسول ہوں ،
یا کتاب خدا میں بیان کیا
ہوا فریضہ ، اور اس کی
اسی طرح پیروی کرو جیسے
تم نے ہم کو کرتے دیکھا ہے ۔
اس عہد نامہ میں جو کچھ
احکام مین نے تمہارے ذمہ
عائد کـئے ہیں ان کی ، اور
اپنے نفس کی (براءت کے لئے)
جو حجتیں مین نے تم پر مسلط
و مستحکم کر دی ہیں ان کی
پیروی کرنے میں پـوری
جدو جہد کرنا ، تاکہ جب
تمہارا نفس ہوا و ہوس کی
طرف سبقت کرے تو تمہارے
لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے ۔
اور میں خدا سے اس کی

تسلیماً کثیراً ؛ والسلام

(نہج البلاغه)

رحمت کی وسعت اور هر مرغوب چیز کے عطا کرنے پر اس کی عظیم قدرت کا واسطه دے کر اس امر کا سوال کرتا هوں که وه مجھے اور تم کو اپنے نزدیك اور اپنی مخلوق کے نزدیك اس عذر واضح پر قائم رهنے کی توفیق عطا فرمائے جس مین اس کی رضا هو ساتھ هی ساتھ اس کے بندوں (کی زبان پر بھی) هماری مدح و ثنا رهے اور اقطاع زمیں پر همارا اچھا نقش قائم هو، هم پر اس کی نعمت تمام هو اور عزت و کرامت زیاده هو ۔ نیز (اس سے یه دعا کرتا هوں) که میرا اور تمہارا خاتمه سعادت اور شہادت پر کرے ، بیشك هم سب اس کی طرف لوٹ کر جانے والے هیں ۔ سلام هو اس کے رسول صلی‌اللہ‌علیه اور ان کی پاك و پاکیزه آل پر، بہت بہت سلام ۔

والسلام



آل محمد کی تعلیم پر اجمالی نظر

"فلسفۂ آلِ محمد"، کیا ھے؟ قران شریف کی وہ تعلیم، احادیثِ رسول کا وہ مجموعہ جو ھمکو آلِ محمد کے ذریعہ سے پہنچا ھے۔

آلِ محمد سے ھماری مراد کیا ھے؟

(۱) حضرت فاطمہ زھرا سلام اللہ علیہا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پارۂ جگر تھیں، جنھوں نے آغوش رسول میں پرورش پائی، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، رسول کا اسوۂ حسنہ دیکھا اور اس پر چلنے کی کوشش کی، جو رفتار، گفتار اور سیرت میں اپنے باپ سے مشابہ تھیں، اور جن کی تعلیم و تربیت میں آنحضرت سعی بلیغ فرمایا کرتے تھے۔

(۲) حضرت علی علیہ السلام جو کہنے کو ابوطالب کے فرزند تھے مگر بچپن ھی سے رسول عربی کی آغوش تربیت میں پلے، شب و روز ان کے ساتھ رھے، سفر و حضر، جنگ و صلح، مصیبت و راحت غرض ھر حالت مین ان کے پاس رھے۔ آغازِ کار سے لیکر وفات رسول تك اسلامی دنیا کا کوئی اھم واقعہ ایسا

نہیں جس میں علی کی شرکت نہ ہو اور (بقول رسول) دین کا
کوئی حکم ایسا نہیں جو رسول کو ملا ہو اور انھوں نے علی
تک نہ پہنچا دیا ہو۔

(۳) امام حسن اور امام حسین علیہما السلام جو انھی دونوں
بزرگوار کے فرزند اور خود محفل رسالت کے تربیت یافتہ اور
دربار نبوت کے ہمہ وقت حاضر باشوں میں تھے، جن کا
مسکن آغوش رسالت تھا اور جولان گاہ سینۂ نبوت؛ جنت
کے نوجوانوں کے یہ سردار ایک طرف تو براہ راست شمعِ
رسالت سے اقتباس نور کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے
ماں باپ کے ذریعہ سے اکتساب علم فرماتے تھے۔

(٤) امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے نو امام (از امام
زین العابدین تا امام مہدی علیہم السلام) کہ ان طاہر و طیب
ذاتوں نے سلسلہ بسلسلہ اپنے آباء و اجداد سے علوم ربانی،
معارف قرآنی اور احادیث رسول کو حاصل کر کے عالم میں
پھیلایا اور کفر و نفاق کی تاریک آندھیوں میں بھی شمع علم
و عرفاں کو روشن رکھا۔ ان مین سے ایک (امام مہدی
علیہ السلام) آج بھی ہمارے درمیاں موجود ھین اور اپنے

باطنی فیوض سے دنیا کو مالامال کر رہے ہیں۔ خدا جلد ان کے ظہور سے ہماری آنکھوں کو روشن اور ظلمت کدۂ ارض کو منور فرمائے۔

اسلام جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کرۂ ارض پر امن و امان قائم رکھنے، بھولی بھٹکی قوموں کو نجات کا سیدھا راستہ بتانے اور عبد و معبود کے درمیان برسوں سے منقطع رشتے کو جوڑنے کے لئے آیا تھا۔

وہ نہ مروجہ مذاہب کی طرح چند فرسودہ رسموں کا مجموعہ ہے، نہ وقف فکر حکماء کے نظریات کی طرح محض دماغی عیاشی کا مشغلہ، وہ نہ جوع الارض کے مریض انسانوں کو تسخیر ممالك اور مردم شکاری کے کام میں مدد دینے کے لئے آیا تھا، نہ غلامی پسند اور تملق پیشہ لوگوں کے لئے عذر اور بہانے کا سامان مہیا کرنا چاہتا تھا۔

لیکن جب آفتاب عالمتاب افق پر نمودار ہوتا ہے تو کائنات کی ہر چیز اپنی اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ ننھے ننھے پودے اس کی شعاعوں سے سبزی حاصل کرتے ہیں۔ کلیاں اس سے طرح طرح کے رنگ لیتی

ھیں ۔ اور تاریکیاں اس کے دم سے کافور ھو جاتی ھین ۔ اسی طرح جب آفتابِ اسلام افق عالم پر نمودار ھوا تو ھر فرد اور ھر قوم نے اس سے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق فائدہ اٹھایا ۔ وہ جو برسوں سے جنگ و جدل اور قتل و غارت کے شائق تھے ، اس کی عمل آفریں اور تنظیم خیز تعلیم کی بدولت ملکوں پر چھا گئے اور شرق و غرب کے خزانوں پر قابض ھو گئے ، جو زھد و تقوی اور عزلت گزینی کے شیدا تھے انھوں نے ترکِ دنیا اور طلب آخرت کی آیات پر زور دیکر صوفیوں کے سلسلے قائم کئے اور میدان جنگ چھوڑ کر خانقاھوں اور حجروں کو جا آباد کیا ۔

بادشاھت کی آرزو ، لوٹ مار کی خواھش اور عزلت گزینی و ترك دنیا کی افراط و تفریط کے دور میں آلِ محمد کی ذات سچ مچ ایك مشعل ھدایت تھی ۔ انھوں نے قران و احادیث کی تفسیر اور تاویل میں علمی اور عقلی طریقہ قائم رکھا ، اور مسلمان کو نہ تو بالکل تارك الدنیا ھونے کی تعلیم دی ، نہ سر سے پیر تك طلب دنیا مین غرق ھو جانے کا مشورہ دیا ۔ ان کی تعلم یہ تھی ۔

لیس منا من ترك الدنیا للاخرة (وہ شخص جو دنیا کو حصول
و من ترك الاخرة للدنیا آخرت کے لئے اور آخرت کو
دنیا کے لالچ میں ترك کردے ھم میں سے نہیں ھے) دنیا اور
آخرت کا چولی دامن کا ساتھ ھے ، ھم اس کرۂ ارض پر اس
لئے بھیجے گئے ھیں کہ اپنے عمل سے اس دنیا کو بہشت بنانے
کی کوشش کریں۔

الدنیا مزرعة الاخرة (یہ دنیا آخرت کی کھیتی ھے)
اس وقت جیسا بوؤ گے آگے چل کر ویسا ھی کاٹو گے۔

کتاب فلسفۂ آلِ محمد کیا ھے ؟

اسلام کی وہ تشریح اور تفسیر ھے جو آلِ محمد سے ھم
تك پہنچی ھے۔ اس کتاب میں احکام الہی اور ارشاداتِ
نبوی کو آلِ محمد کی مقدس سیرت اور پاکیزہ زندگی کی
روشنی میں پیش کیا گیا ھے ۔ آئیے اصل کتاب شروع کرنے
سے پہلے ھم یہ دیکھ لیں کہ اصول و فروعِ دین یعنی اسلام
کے بنیادی عقائد و اعمال کے متعلق آلِ محمد کا نظریہ کیا تھا؟

اصول دین

---:---

توحید



کائنات پر نگاہ ڈالئے۔ پہلے :: (Atom) کو لیجئے۔ مادہ کا یہ چھوٹا سا ذرہ جس کو آپ طاقتور سے طاقتور خوردبین کی مدد سے بھی نہیں دیکھ سکتے ایك مستقل نظام کا مالك ھے۔ اگر آپ کی نگاہ کے سامنے سے حجاب اٹھ سکے، تو آپ کو نظر

:: کائنات پر نظر ڈالئے، اس کا ذرہ ذرہ یکسان قوانین کے ماتحت چل رہا ھے، موجودہ عہد کے حکمآ کا متفق اللفظ یہ فیصلہ ھے کہ کائنات مین حیرت انگیز یکرنگی اور ہم اھنگی نظر آتی ھے۔ جذب و کشش کا وہ قانون جو نیوٹن نے سیب کے باغ میں پایا تھا نہ صرف ھمارے نظام شمسی مین کار فرما ھے بلکہ دوسرے شموس کے حلقۃ عمل میں بھی نظر اتا ھے۔ پھر یہ کہ عوالم جو ھمکو دکھا ئی دیتے ھیں ان سب کی اصل ایك ھی ھے۔ یہ بہروپیا مادہ جو ہر جگہ نئے روپ میں جلوہ فگن ھے، نوے عناصر پر مشتمل ھے۔ اور ہر عنصر Atoms کا مجموعہ ہے، اجرام فلکی انہین سے بنتے ھین۔

کچھ عرصہ تك تو یہ سمجھا جاتا رہا کہ Atoms ھی مادہ کے جزو لایتجزی ھیں،

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

مگر سر جورف ٹامسن (Sir Joseph Thompson) نے یہ ثابت کیا ھے کہ ائم (Atom) منفی بجلی کے ذروں یعنی ایلکٹران کا مجموعہ ھے جو مثبت بجلی کے مدور کرہ میں گھوما رھتا ھے ۔ اسکی تصدیق ریڈیم کی دریافت سے ھوگئی ۔ یہ وہ عنصر ھے جو Atom کے اجرا میں الیکٹران کے منتشر ھونے کا تماشا ھماری انکھوں کے سامنے دکھاتا رھتا ھے ۔ اگر ھمارے پاس اس وقت ایك اونس ریڈیم ھو تو ۱۷۶۰ سال کے بعد صرف ادھا اونس رہ جائے گا ۔ اور تیس ھزار سال کے اندر صرف اسکا ۱۰۰۰۰۰ دس لاکھواں حصہ باقی رہ جائے گا ۔

ریڈیم کے جسم سے جو ذرے منتشر ھوتے ھیں ان سے ھیلیم اور پھر پولونیم نام کے عنصر بنتے ھیں اور جو کچھ باقی رہ جاتا ھے وہ سیسہ کہلاتا ھے ۔

ڈاکٹر ارتھر شسٹر نے سچ کہا ھے کہ انتہا پر جا کر یہ معلوم ھوتا ھے کہ کل کائنات کی اصل مفرد ھے ۔ یعنی وہ مسالہ جس سے کائنات بنی ھے ایك ھی ھے ۔ جدید تحقیقات سے ثابت ھوگیا ھے کہ مادہ برق سے بنا ھے ۔ اور عناصر مین اختلاف اس لئے نظر آتا ھے کہ برق پاروں نے مختلف شکلیں اختیار کر لی ھیں ۔ اب رھا یہ کہ برق کیا ھے؟ پروفیسر لارمر (Larmer) نے اسکو بھی صاف کر دیا ھے ۔ وہ فرماتے ھیں :—

" Electricity is a strain-centre in the ether "

کائنات کا مسالہ ایك ھے اور قوانین بھی اس میں یکساں جاری و ساری ھین ۔ جو نظام Atom میں کار فرما ھے وھی بڑے بڑے اجرام فلکی میں پایا جاتا ھے ، جس طرح اجرام فلکی بنتے بگڑتے ھین اسی طرح Atom بھی بنتا بگڑتا ھے ، تو کیا مخلوقات کی یہ وحدت خالق کی وحدت پر دلالت نہین کرتی ؟

پروٹان کے گرد متعدد الیکٹروں رقص میں مصروف ھیں ۔ اب بڑے سے بڑے نظام شمسی کو لے لیجئیے ۔ وھاں بھی آپ کو ایسا ھی منظر نظر آئیگا ۔ تو چھوٹے سے چھوٹے ذرے اور بڑے سے بڑے نظام شمسی کے نظم و نسق کی وحدت سے یہ پتہ چلتا ھے کہ یہ کارخانہ کسی ایک ھی ذات کے اشاروں پر چل رھا ھے ۔ ذرا غور سے دیکھئے، آفتاب و ماھتاب، انسان وحیوان، شجر و حجر سب ایک مقررہ نظام کے ماتحت ھیں۔

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰه اذا لذهب كل اله بما خلق و لَعلاَ بَعضهم علی بعض (مومنون : ۹۱)	اور نہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ھے، اگر ایسا ھوتا تو ھر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا ۔

یہ ممکن تھا کہ ایک مقام پر ایک خدا ھوتا اور دوسرے مقام پر دوسرا خدا ۔ مگر جب ھم اشیاء ، ان کے اسباب و علل ، اجزائے ترکیبی اور ان کے وجود میں آنے کے طریقوں پر نظر ڈالتے ھیں تو معلوم ھوتا ھے کہ ان میں وحدت اور یکسانی ھے ۔

پانی جیسی معمولی سی چیز پر غور کیجئے ۔ ملک ھند کے

کسی دریا سے ایک چلو پانی لے لیجئے اور اس کی کیمیاوی تحلیل کیجئے ۔ پھر امریکہ کے کسی دریا سے پانی لیکر اس کی کیمیاوی تحلیل کیجئے ۔ دیکھئے دونوں جگہ کے پانی کے اجزائے ترکیبی بالکل یکساں ہیں ، ہائڈروجن اور آکسیجن میں جو تناسب یہاں ہے ، وہی امریکہ میں قایم ہے ۔ گویا دونوں ملکوں میں ایک ہی بادشاہت اور ایک ہی سا قانون رائج ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ بہت سے خدا ہوتے اور ہر ایک کے سپرد الگ الگ کام ہوتا ۔ مگر غور کیجئے تو معلوم ہو جائے کہ اس دنیا میں ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں اگتا جب تک آسمان سے لےکر زمین تک تمام کارکن قوتوں اور اسباب میں باہمی اشتراک عمل نہ ہو ۔ فرض کیجئے کہ یہ کارکن قوتیں اور اسباب جدا جدا خداؤں کے حلقۂ اثر میں ہیں تو اب ضروری نہیں کہ سب کا اشتراک عمل بیک وقت ممکن ہو ۔ اشتراک عمل کے بغیر تصادم ہونا یقینی ، اور نظام کائنات مین خلل پڑنا لازمی ہے ۔ ::

:: اس پورے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کئی خدا ہوتے تو یا وہ کائنات

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

لَو کانَ فِیهِمَا اٰلِھَة اِلاّ اللہ لَفَسَدتَا ج فسبحٰن اللہ رب العرش عَمَّا یَصِفُون (انبیا : ٢٢)

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا چند اور خدا بھی ہوتے تو ان میں فساد بر پا ہوجاتا۔ عرش والا خدا ان چیزوں سے جو (مشرک) کہتے ہیں پاک ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ توحیدِ الٰہی کائنات کے ذرہ ذرہ سے ہویدا ہے۔ مگر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس کا عقیدہ انسان کے لئے کیوں ضروری ہے ؟ خدا ایک ہی سہی ، مگر اس کو ایک ماننے پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے ؟ جو لوگ ایک کے بجائے متعدد خداؤں پر ایمان لاتے ہیں ان کو کیا نقصان پہنچتا

(بقیۂ صفحۂ گذشتہ)

کے حصے بخرے کر کے اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے کہ ایک خدا ایشیاء پر حکمراں ہوتا اور دوسرا امریکہ پر ؛ ایک زمین کا بادشاہ بن بیٹھتا اور دوسرا مریخ کا۔ یا یہ کہ حدود مملکت تو جدا نہ ہوتیں مگر ہر خدا کا کام علیحدہ علیحدہ ہوتا۔ ایک زندگی عطا کرتا ، دوسرا موت ، ایک حرارت پیدا کرتا اور دوسرا برودت وغیرہ وغیرہ۔

کائنات کے ہر حصہ میں قانون و عمل کی یکسانی اور ہم آہنگی پہلی صورت کی تردید کر رہی ہے ؛ اور ہر شئی کے وجود میں آنے اور پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے لئے بیک وقت فطرت کے ہزاروں عناصر و قوا کا اشتراک عمل دوسری صورت کی تردید کرتا ہے۔

ھے ؛ اور جو لا الہ الا اللہ کہتے ھیں وہ کیا فائدہ اٹھا لیتے ھیں ؟ دوسرے لفظوں مین یہ کہ عقیدۂ توحید کا افادی پہلو کیا ھے ؟

نظریۂ توحید کے بہت سے فوائد ھیں :۔

(۱) اصحابِ نظر بخوبی جانتے ھیں کہ انسان کی توہم پرستی کی تاریخ بہت ھی پرانی ھے ۔ اس کی فطرت میں خوف و طمع کے عنصر کا اتنا غلبہ ھے کہ اس کی خود داری کا جھاز ھمیشہ انہی دو چٹانوں سے ٹکرا کر ڈوبتا رھا ھے ۔

انسان جب تہذیب و تمدن کے ابتدائی دور میں تھا، تو اونچے پہاڑوں، بڑے دریاؤں اور خوفناك جانوروں سے ڈر کر ان کی پرستش کرتا تھا ۔ بارش سے گرمی کی شدت دور ھوتی تھی، ندی نالے بہہ نکلتے تھے ، جس سے اس کو اور اس کے مویشیوں کو پانی ملتا تھا ۔ کھیتی ھری بھری ھو جاتی تھی ، جس کی بدولت اس کو کھانا اور اس کے مویشیوں کو چارہ ملنے کی امید ھوتی تھی ۔ آفتاب سردی دور کرتا تھا ، رات کے اندھیرے کو اجالے سے بدل دیتا تھا ، چاند کی بدولت اس کو رات میں روشنی میسر آتی تھی اس لئے وہ ان مظاھر فطرت سے خوش تھا اور ان کی تعریف کے گیت گاتا تھا ۔ دوسرے لفظوں

میں یہ کہ دنیا میں اس کو سب قوی اور قادر نظر آتے تھے ۔ بس اپنی ھی ذات بے بس ، محتاج ، اور دوسروں کی دست نگر معلوم ھوتی تھی ۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو عبد اور دوسروں کو معبود سمجھتا تھا ۔ مع

نظریۂ توحید نے اس کو اپنی بھولی ھوئی عظمت یاد دلائی اور اپنی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرنے کی تعلیم دی ۔ اب اس کو پتہ چلا کہ اللہ نے مجھے مہر و ماہ ، آب و آتش ، اور حیوانات و جمادات کی غلامی اور بندگی ، عبادت اور پوجا کے لئے پیدا نہیں کیا ، بلکہ میں تو دنیا میں الٰہی قوتوں کا مظہر اور خدائی صفات کی جلوہ گاہ ھوں ۔ آفتاب و ماھتاب ، ھوا و دریا ، جو بظاھر قادر و مختار نظر آتے ھیں ، اصل میں ایك دوسری ذات کے اشاروں پر چل رھے ھیں ۔ اس لئے عبادت کے لائق یہ نہیں بلکہ وھی ذات ھے جس نے ان سب کو پیدا کیا ھے ۔

(۲) جب تك انسان نظریۂ توحید کا قائل نہ تھا ، باد و باراں ، آب و آتش ، اور شجر و حجر کو اپنا معبود مانتا تھا ۔ ان سب کی تعریف کے نغمے سناتا ۔ ان سب کے سامنے ناچتا ، گاتا ، اور ان کی درگاہ مین نذریں چڑھاتا تھا ۔ مگر جب اس کو معلوم

هو گیا کہ یہ معبود نہیں بلکہ عبد ہیں ، مخدوم نہیں بلکہ خادم ہیں، اور ہماری ہی خدمت کے لئے پیدا ہوئے ہیں، تو اس نے ان سے کام لینا شروع کیا اور اس طرح سائنس کی ترقی کا آغاز ہوا۔

ممالک متحدہ کے مغربی حصے میں بجلی کی طاقت سے جابجا آبپاشی ہو رہی ہے۔ جہاں کل تک خاک اڑتی تھی وہاں آج ہری بھری کھیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ میوہ دار باغ سر بلند اور گلہائے رنگا رنگ محوِ تبسم ہیں۔ صنعتی کار خانے جاری ہیں جن میں انواع و اقسام کی چیزیں بنتی ہیں، لاکھوں مزدور کام کرتے اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ یہ سب کس کی بدولت ؟ اس عمل کی بدولت جس نے گنگا جل کو تسخیر کر کے بجلی پیدا کی۔ بتائیے کیا وہ قوم جو گنگا کو دیوی سمجھ کر پوجتی ہے، اس کے پانی سے یہ خدمتیں لینے کا کبھی خواب بھی دیکھ سکتی تھی ؟ پھر دیکھئے کہ بھاپ (Steam) جس کی مدد سے ریلیں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑتی پھرتی ہیں، جس کے ذریعہ سے تیز رفتار جہاز سطحِ آب پر رواں دواں ہیں، پانی اور آگ ہی کی

تسخیر کا نتیجه هے ۔ اگر

هو الذی سخرلکم مافی السموات (وه خدا جس نے جو کچھ
ومافی الارض آسمانوں میں هے اور جو کچھ
زمین میں هے تمهارے لئے مسخر کر دیا هے)

کی تعلیم هم کو نه ملتی تو هم عناصر و قوائے فطرت کو مسخر کرکے سائنس کو اس قدر ترقی کس طرح دے سکتے تھے ؟

(۳) پچھلے زمانے میں هر قوم علیحده علیحده خداؤں کو مانتی تھی ۔ یونان کے خدا الگ تھے ، روما کے الگ ، ایران کے معبود جدا تھے اور مصر کے جدا ۔ اس کا نتیجه یه تھا که ایك قوم کو دوسری قوم سے للھی بغض رهتا تھا ۔ یونانی اپنے خداؤں کو بڑا اور دوسرے ملکوں کے خداؤں کو چھوٹا سمجھتے تھے ؛ ان کا خیال تھا که هم کو جائز طور پر یه حق هے که هم چھوٹے خداؤں کے ماننے والوں کو لوٹیں ، ماریں اور غلام بنائیں ۔ روم والے بھی اپنے قابل احترام دیوتاؤں کی امداد کے بھروسه پر یورپ اور ایشیا کے ملکوں کو تاراج کرنا مقدس فریضه سمجھتے تھے ۔ مصری کشورکشاؤں کی افریقی اور ایشیائی

جنگوں میں بھی یہی محرک :: کار فرما تھا ۔

سر زمین ہند پر آرین قوم کے حملہ آوروں اور یہاں کے اصلی باشندوں کی کشمکش کا حال اب تک ویدوں کے صفحات پر موجود ہے ۔ اور اس میں صاف طور پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آرین کے دیوتا بزرگ و برتر تھے اور یہاں کے اصلی باشندے حقیر دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے ۔

کرۂ ارض پر نظم و نسق قایم رکھنے اور نوع انسانی کو اتحاد، مساوات اور اخوت کا سبق پڑھانے کے لئے ایک اور صرف ایک مرکز قایم کرنے کی ضرورت تھی ۔ جس کے گرد جمع ہونے کے بعد قومیت ، وطنیت ، رنگ روپ اور دولت و ثروت کے تمام امتیازات غائب ہوجائیں ۔ نظریۂ توحید نے سچ مچ یہ امتیازات مٹا دئے ۔ کیا آپ نے مسجد مین ان امتیازات کے فنا ہو جانے کا حیرت انگیز منظر نہین دیکھا ؟ حج کے موقع پر جو عالمگیر اجتماع ہوتا ہے ، کیا اس مین ان امتیازات کا کہیں شائبہ نظر آتا ہے ؟ پھر ان ملکوں کو چھوڑ کر

:: یہ صحیح ہے کہ اقوام عالم کے حملہ کا اصل محرک لوٹ مار کا جذبہ رہا ہے مگر اس خواهش کی تکمیل میں ہمیشہ تعدد اله کے اعتقاد سے مدد اور سہولت بہم پہنچی ہے ۔

جہاں اقوامِ معاصر نے ہمارے اسلامی تمدن پر برا اثر ڈالا ہے، اسلامی سوسائٹی کا گہری نظر سے مطالعہ و معائنہ کیجئے تو آپ کو وہاں انماالمومنون اخوۃ (ایماندار لوگ بھائی بھائی ہیں) کا روح پرور اور خرد افزا منظر نظر آئے گا۔ اور کچھ اسلامی معاشرت ہی پر منحصر نہیں، بلکہ جب سے ہم نے علم توحید بلند کیاہے دنیا محسوس اور غیر محسوس :: طریقہ پر وحدتِ انسانیت پر زور دینے لگی ہے۔ انقلاب امریکہ ، انقلاب فرانس، انقلابِ روس سب پر ہمارے نظریۂ توحید کا اثر پڑا ہے۔ توحید کا تصور نگاہ کے سامنے آنے سے پہلے دنیا وحدت انسانیت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ آج بھی کہ دنیا نے اس قدر ترقی کرلی ہے، کروڑوں انسان وطن اور قوم کے بتوں کے پرستار ہیں، یورپ کی موجودہ جنگ اسی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم سب ایک خدا کو ماننے

:: خدا خود فرماتا ہے کہ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے دنیا ایک نہ ایک دن اس کی طرف پلٹے گی (افغیر دین‌الله یبغون و له اسلم من فی‌السموات والارض طوعاً و کرھاً و الیه یرجعون ہ) (آل عمران ۹)

(کیا وہ دین الہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں ، حالانکہ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا مجبوراً اس کے سامنے جھکا ہوا ہے اور ایک نہ ایک دن سب اس کی طرف لوٹ جائینگے)

لگیں تو اس کے سارے بندوں کے حقوق حریت و مساوات
کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائینگے؛ اور اس کے بھیجے ہوئے آئین
و قوانین پر عمل کرکے امنِ عالم کے قیام میں مدد دے سکیں گے۔
یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب مسلمان دنیا میں برسراقتدار
تھے اس وقت جنگ و جدل کا خاتمہ کیوں نہیں ہوا؟
اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں مسلمان تو بیشک عرصہ
تک حکمران رہے، مگر اسلام کی حکومت چند روز سے زیادہ
نہ رہ سکی۔ بت شکن مسلمان وطن اور قوم کے بتوں کو کلیۃً نہ
توڑ سکے۔ عرب اور عجم، ترک و ہندی کا امتیاز ان میں بھی
باقی رہا۔ اسی لئے جنگ و جدل کا استیصالِ کامل نہ ہوسکا۔
یہاں تک کہ اسی امتیاز کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے دنیا
کی غلام قوموں کی صف میں چلے گئے۔

ارباب فکر و نظر کے لئے حکیم العرب سیدنا علی علیہ السلام
کا ایک خطبہ درج کیا جاتا ہے جس میں توحید پر فلسفیانہ
انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

الحمدللہ الذی لایبلغ تمام اور ہر قسم کی تعریف
مدحتہ القائلون، و لا یحصی اس خدا کے لئے زیبا ہے

نعماءه العادون ، ولا يؤدي
حقه المجتهدون ، الذی
لا يدركه بعد الهمم ، ولا يناله
غوص الفطن ، الذی ليس لصفته
حد محدود ، ولا نعت موجود ،
ولا وقت معدود ، ولا اجل
مهدود ، فطر الخلائق بقدرته ،
و نشر الرياح برحمته ، و وتد
بالصخور ميدان ارضه ،
اول الدين معرفته ؛ وكمال
معرفته التصديق به ، وكمال
التصديق توحيده ! وكمال
توحيده الاخلاص له و كمال
الاخلاص له نفی الصفات
عنه ، لشهادة كل صفة انها
غير الموصوف ، وشهادة كل
موصوف انه غير الصفة ، فمن

جس کی مدح تک بولنے والوں
کی رسائی نہیں ، جس کی
نعمتوں کو شمار کرنے والے شمار
نہیں کرسکتے ، اور کوشش
کرنے والے اس کا حق ادا
نہیں کرسکتے ، وہ جس کے
ادراک سے ہمتوں کی بلند
پروازیاں بھی قاصر ہیں اور
فکروں کی گہرائیاں اس تک
نہیں پہونچ سکتیں ، نہ اس
کی صفات کی کوئی حد معین
ہے ، نہ تعریف موجود ، نہ
کوئی ایسا وقت کہ شمار میں آسکے ،
اور نہ کوئی ایسی مدت جو
طویل ہو ۔ اس نے مخلوق
کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ،
اور ہواؤں کو اپنی رحمت سے

وصف اللّٰہَ سبحانہ تعالی فقد
قرنہ، ومن قرنہ فقد ثناہ،
ومن ثناہ فقد جزاہ، ومن
جزاہ فقد جہلہ، ومن
جہلہ فقد اشار الیہ،
ومن اشار الیہ فقد حدہ، ومن
حدہ فقد عدہ، ومن قال فیم
فقد ضمنہ، ومن قال علیمَ
فقد اخلی منہ، کائن لا عن
حدث، موجود لا عن عدم،
مع کل شیئ لا بمزایلة،

(فضا میں) منتشر کیا، زمین
کی حرکت کو پتھر (کی
میخوں سے) روکا۔ دین کا
پہلا (زینہ) اس کی معرفت
ہے، اور کمال معرفت اسکی
تصدیق ہے، اور تصدیق کا
کمال یہ ہے کہ اس کو یکتا
ویگانہ مانا جائے، اور توحید
کا کمال یہ ہے کہ اس کے ساتھ
اخلاص ہو، اور اس کے
ساتھ اخلاص کا یہ کمال ہے کہ
اس کی ذات سے ایسی صفات کی نفی کی جائے جو عین ذات
نہ ہوں، کیوں کہ ہر صفت یہ شہادت دیتی ہے کہ وہ موصوف
سے علیحدہ ہے، اور ہر موصوف یہ شہادت دیتا ہے کہ وہ
صفت سے جدا ہے، تو جس نے خدا کے لئے صفت ثابت کی
اس نے خدا کا ہمسر بنا دیا، اور جس نے اس کا ہمسر بنایا
اس نے اس کو دو سمجھ لیا، اور جس نے دوئی پیدا کی اس

نے (اس ذات واحد) کے لئے جز مانا ، اور جس نے اس کے لئے
اجزا قرار دئے اس نے گویا اس کی ذات کو پہچانا ھی نہیں ،
اور جس نے اس کو نہ پہچانا اس نے اس کی طرف اشارہ
کیا ، جس نے اس کی طرف اشارہ کیا اس نے اسے محدود بنادیا ،
اور جس نے اسے محدود کردیا وہ اس کو (دوسری تمام اشیاء کی)
شمار و قطار میں لے آیا ، جس نے یہ پوچھا کہ وہ کس چیز میں
ھے؟ تو اس نے اس کو کسی چیز کے ضمن میں قرار دیا اور
جس شخص نے کہا کہ خدا کس چیز پر ھے؟ تو اس نے اس
جگہ کے علاوہ دوسرے مقام کو اس سے خالی تصور کرلیا ۔
وہ موجودھے مگراس کا مطلب یہ نہیں ھے کہ کسی نے اس کو
پیدا کیا ھے ، اس کا وجود ھے مگر وہ عدم سے وجود میں نہیں
آیا (بلکہ ازلی ھے) ۔ وہ ھر چیز کے ساتھ ھے مگر یہ
معیت ویسی نہیں جو اجسام مین ھوتی ھے ۔ وہ ھر شے سے
الگ ھے مگر یہ جدائی وہ نہیں ھے جو علیحدگی سے پیدا
ھوتی ھے ۔

فاعل لا بمعنی الحرکات والآلة ، وہ فاعل ھے مگر اس کے یہ معنی
نہیں ھیں کہ حرکت اور آلات سے کام لیتا ھے ۔

بصیر اذلا منظوراليه من خلقه ، وہ اس وقت بھی بصیر تھا جب اس کی مخلوق میں کوئی چیز دیکھنے کے لئے نہ تھی ۔

متوحد اذلا مسکن یستانس به وَلا یستوحش لفقده ، وہ اکیلا ھے اس کا کوئی ایسا ساتھی نہیں جس کے رہنے سے اس کا جی لگے اور نہ رہنے سے دل گھبرائے ۔

عدل



اسلام سے پہلے جتنے توھمات اور مذاھب دنیا میں رائج تھے وہ خداوند عالم کو ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح بے اصول و بے آئین سمجھتے تھے ۔ ھندوستان کی قدیم مذھبی کتابوں کا مطالعہ کرجائیے ۔ مصر، کلدانیہ ، یونان اور روم کا دینی لٹریچر اٹھا کر دیکھئے ۔ ھر جگہ آپ کو یہی ملے گا کہ جزا اور سزا صرف دیوتاؤں کی رضا اور غضب کا نام ھے ۔ وہ جس سے راضی ھوتے ھیں اس کو مالا مال کر دیتے ھیں ، جس سے ناراض ھو جاتے ھیں اس کا ستیاناس کر کے چھوڑتے ھیں ۔

یہودی اور عیسائی مذہب میں بھی خداوندِ عالم کی تصویر پرانے دیوتاؤں سے ملتی جلتی ھے ، وہ کبھی خوش ھوکر بنی اسرائیل کو اپنی منظورِ نظر قوم بنا لیتا ھے پھر ناراض ھوتا ھے تو اس کی ھلاکت اور بربادی پر آمادہ ھو جاتا ھے۔ عیسائیوں کا تو اس بیسویں صدی میں بھی یہ عقیدہ ھے کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے اللہ میاں ساری نسلِ آدم سے بیزار ھے ۔ ھاں اگر ھم اس کے پیارے بیٹے مسیح کے خون پر ایمان لے آئیں تو وہ ھم سے راضی ھو جائے گا ۔ قران نے ھم کو بتایا کہ کائنات کی ھر ھر چیز آئین و قوانین سے جکڑی ھوئی ھے ، یہاں جو کچھ ھوتا ھے ایک خاص ضابطہ اور نظم کے ماتحت ظہور پذیر ھوتا ھے ۔ تم جس کو جزا یا سزا کہتے ھو وہ کسی مطلق العنان بادشاہ کی تلون مزاجی کا مظاھرہ نہیں ھے ، بلکہ عمل کا فطری نتیجہ ھے ۔

من عمل صالحا فلنفسه و من اساء فعليها ط وما ربك بظلام للعبيد (حم:٤٦)

جس کسی نے اچھا کام کیا تو اپنے نفس کے فائدے کے لئے کیا (یعنی اس کے فوائد سے وہ بہرہ مند ھوگا) اور جس نے برائی کی تو (اس کا مزا بھی)

اس کا نفس چکھے گا ۔ تمھارا رب اپنے بندوں کے لئے ظالم نہیں ھے (کہ جب چاھے ان کو بلا وجہ انعام و اکرام دے اور جب چاھے موردِ غیظ و غضب ٹھہرائے)

وَلِتجزی کل نفس بما کسبت کہ ھر نفس کو اپنی کمائی کے وَھم لا تظلمون (جاثیہ : ۲۲) مطابق بدلہ ملے اور ان پر (کسی قسم کا) ظلم نہ ھو۔

کائنات کے ذرے ذرے سے قانونِ مکافات کا ظہور، موجودات عالم میں ھر شے کا علل و اسباب اور اثر و نتائج کی بندشوں میں جکڑا ھوا ھونا صاف طور پر ظاھر کرتا ھے کہ یہاں ایک عادل و منصف کی حکومت ھے، جس کا ایک مظہر رحمت ھے اور دوسرا غضب اور یہ دونوں عدل پر مبنی ھیں۔

قدیم زمانے میں جب فطرت انسانی منزلِ طفولیت سے گذر رھی تھی، اور کرۂ ارض کے ایک ایک انچ پر اس کو اپنی بقاء کے لئے ھزاروں دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا، کہیں دلدل تھی اور اس کے خون آشام مچھر تھے، کہیں گھنے جنگل تھے اور اس کے اندر رہنے والے خونخوار

درندے تھے، کہیں لق و دق ریگستان اور اس کی صعوبتیں تھیں ۔ مصائب و آلام اور تنازع للبقا کے اس صبرآزما دور مین انسان جب معبود کا تصور کرتاتھا تو اس کی صفت قہاری و جباری ھی اس کے سامنے زیادہ نمایاں ھوکر آتی تھی ۔ لیکن آھستہ آھستہ تمدن و تہذیب کی ترقی نے جب آرام و آسائش کے سامان مہیا کر دئیے ، اور اس کو اپنی دنیا کے اندر جمال و رافت کا پہلو بھی نظر آنے لگا تو اس کے تصورِ معبود مین یه صفات بھی شامل ھوگئیں ۔ اب ایك طرف اگر ان دیوتاؤں کی پرستش ھوتی تھی جو قہر و غضب کے معدن تھے تو دوسری طرف ان معبودوں کے گیت بھی گائے جاتے تھے جو رحم و کرم کے مخزن تھے ۔ اسلام نے بتایا کہ یه دونوں قسم کے معبود انسانی ذھن کی مخلوق ھین ، خالق کائنات وہ ھے جس کی حکومت کی بنا عدل و انصاف پر ھے ، نه اس کا فضل و کرم بلاسبب ھوتا ھے ، نه قہر و غضب بلا ضرورت ۔

اسلام کے آنے سے پہلے بھی اور اسلام آنے کے بعد بھی لوگ جب دنیا مین مصائب و آلام اور تکلیف و اذیت کا ھجوم دیکھتے تھے تو گھبرا اٹھتے تھے ۔ ان کی سمجھ مین نه آتا

تھا کہ اگر خدا رحیم و کریم ھے تو یہ مصائب و آلام کیسے اور رنج و غم کہاں ؟ بالاخر یہی کہنا پڑتا تھا کہ اللہ مالکِ کل ھے اور حاکم علی الاطلاق۔ اس کے لئے نہ کوئی آئین ھے، نہ قانون، جو چاھے سزا دے، اور جس کو چاھے سزا دے۔

آئمۂ اھلبیت نے قرآن کی آیات سے استدلال کر کے ھم کو بتایا کہ

کل نفس بما کسبت رهینة ۝ ھر نفس اپنی کمائی کے ساتھ بندھا ھوا ھے۔ (مدثر: ۳۸)

لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت ط وہ اپنے کئے کا پھل پاتا ھے؛ اچھے کا اچھا، اور برے کا برا۔ (بقرة: ۲۸٦)

اگر خداوندِ عالم بے اصول و بے آئین، ظالم اور متلون المزاج ھوتا، تو تم گیہوں بوتے اور جو پیدا ھوتے، تم انگور کی بیلیں لگاتے اور اس میں انار کے پھل لگتے، تم برف ھاتھ مین لیتے اور وہ آگ کا دھکتا ھوا انگارا بن جاتا اور تمھارے ھاتھ کو جلا دیتا۔ اور کبھی تم کھانا پکانے کے لئے آگ لیتے اور وہ برف کی طرح سرد معلوم ھوتی۔ پھر جب دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کے ضابطہ اور قانون کا یہ حال

ھے تو کیوں کر ممکن ھے کہ وہ ھمارے اچھے عمل کا برا اور برے کا اچھا بدلہ دے ۔

بس یہی عدل ھے ۔ عدل کے معنی ھیں برابر ھونا ۔ نہ کم نہ زیادہ ۔ وہ حاکم جو دو فریق کے درمیان ٹھیك ٹھیك فیصلہ کرتا ھے اور ایك دوسرے کی زیادتی کو روکتا ھے عادل کہلاتا ھے ۔ ظلم کے معنی ھیں وضع الشی فی غیر محلہ (کسی چیز کا ایسی جگہ ھونا جہاں اس کا محل نہ ھو ۔)

چھوٹے چھوٹے ذروں سے لے کر بڑے بڑے اجرام سماوی تك جہاں جہاں آپ نگاہ ڈالیں گے عدل و قسط کارفرما نظر آئیں گے ۔

یہی عدل جو دو انسانوں اور دو قوموں مین صلح و صفائی قایم رکھتا ھے جب اشیاء مین نمودار ھوتا ھے تو ان کے اجزائے ترکیبی مین تناسب اور اعتدال قایم کر دیتا ھے ۔

ذرا کرۂ ارض پر نگاہ ڈالئے ۔ یہاں کونسا ” وجود “ ایسا ھے جو خدا کی صفت عدل کا شاھد نہیں ۔ چیونٹی کتنی چھوٹی سی مخلوق ھے ، مگر اس کا جسم بھی عناصر کے اعتدال سے قایم اور باقی ھے ۔ اگر ان عناصر کے عدل

میں فرق آجائے تو یہ ننھی سی جان آناً فاناً خاك میں مل جائے ۔ اب ھاتھی کو لے لیجئے یہ ڈیل ڈول والا حیوان بھی اپنی حیات و بقا کے لئے عدل ھی کا محتاج ھے ۔ اجزائے ترکیبی ذرا نقطۂ اعتدال سے ھٹے اور یہ کوہ پیکر دھڑام سے زمین پر گرا ۔

حسن و جمال جس پر تم جان دیتے ھو ، کیا ھے ؟ تناسب ، توازن اور اعتدال ھی کا دوسرا نام ھے ۔ کام و دھن کو لذت اندوز کرنے والے کھانے ، جنت نظر بنانے والے نظارے اور فردوس گوش نغمے کیا ھیں ؟ اس عدل ھی کی اعجاز نمائیاں ھیں ۔ وہ خالق کائنات خود بیان فرماتا ھے کہ ھم تخلیق مین عدل سے کس طرح کام لیتے ھیں ۔

الذی خلقك فسواك فعدلك ○ (وہ اللہ) جس نے تم کو پیدا فی ای صورۃ ماشاء رکبك ○ کیا، پھر (تمھاری ظاھری وباطنی (انفطار : ۷-۸) قوتوں میں) عدل و تناسب ملحوظ رکھا، پھر جیسی صورت بنانی چاھی اس کے مطابق ترکیب دیدی ۔

کرۂ ارض ھی پر کیا موقوف ھے ، کارخانۂ ھستی کا تمام

نظام عدل و توازن پر قایم ہے ۔ یہ نظام شمسی کے ہر سیارے کا اپنی اپنی جگہ معلق رہنا ، اپنے اپنے فلک پر گردش کرنا اور ایک کا دوسرے کی راہ میں حائل نہ ہونا آخر کس لئے ہے ؟ ہمارے نظام شمسی کے علاوہ دوسرے نظاموں کا اپنے اپنے حلقۂ عمل میں دائر وسائر ہونا اور ایک کا دوسرے سے ٹکرا نہ جانا کیوں ممکن نہیں ؟ اس لئے کہ وہ سب قانونِ عدالت کے پابند ہیں ۔ اگر ایک لمحے کے لئے یہ آئینِ عدل غائب ہوجائے تو فوراً کارخانۂ کائنات درہم برہم نظر آنے لگے ۔

اب ذرا غور تو کیجئے کہ جب یہ قانونِ عدل محفلِ ہستی کے ہر گوشہ مین کارفرما ہے ۔ اور موجودات اپنے قیام و ظہور اور بقاء و نمو کے لئے اسی کی محتاج ہیں ؛ تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جو خلعت حیات بخشتا ہے ، جو کارخانۂ ہستی کو چلا رہا ہے ، جس کی ذات و صفت سے عالم کی نمود ہے خود بھی عادل ہوگا ؛ کہ اگر وہ عادل نہیں ہے تو پھر یہ کائنات میں عدل کی کارفرمائی کس لئے ہے ، اور کہاں سے ہے ؟ فرماتا ہے :—

ان اللہ لیس بظلام للعبید — بیشک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ۔
(انفال : ۵۱)

سوال ھوتا ھے اور معقول سوال ھوسکتا ھے کہ اللہ رحیم بھی ھے ، کریم بھی ھے ، خالق بھی ھے، قاھر بھی ھے اور جبار بھی ھے۔ پھر عدل ھی میں کیا خصوصیت ھے کہ صرف اسی کو اصولِ دین مین شامل کیا جاتا ھے ؟ اللہ اسم ذات ھے اور علم ھے اس ذات کے لئے جو تمام صفات حسنہ سے متصف ھے اور یہ صفتیں اس کی عین ذات ھیں ۔ جب ھم اللہ کا لفظ منہ سے نکالتے ھیں تو ھمارے سامنے ایك ایسی ذات کا تصور آجاتا ھے جس میں تمام صفات حسنہ موجود ھیں ۔ مگر ممکن تھا کہ اس کا رحم اس حد پر ھوتا کہ کائنات اس کے قہر و غضب سے بے نیاز ھوکر طغیان و تمرد میں مبتلا ھوجاتی ۔ یا قہر و غضب کا یہ عالم ھوتا کہ یہاں ھر آن و ھر لمحہ عذاب ھی عذاب نازل ھوتا رھتا ۔ اسی طرح دوسری صفتیں بھی یا تو اعتدال سے بڑھی ھوئی ھوتیں یا پھر ان کا استعمال بے موقع ھوتا ۔ آلِ محمد نے ھم کو بتایا کہ اس کی ذات عدل کے زیور سے آراستہ ھے، اس لئے کائنات میں جو کچھ بھی ھو رھا ھے اس مین توازن، اعتدال اور تناسب پایا جاتا ھے ۔ نہ کوئی چیز بےموقع ھے نہ بےکار ۔ نہ قبل از وقت ظہور میں آتی ھے، نہ بعد از وقت،

یہاں ہر عمل اپنی جزا رکھتا ھے ۔ جزا اور سزا عامل کی صورت دیکھ کر نہیں دی جاتی ؛ ایسا نہیں ھے کہ امیر ببول کے درخت بوئے اور آم پیدا ہونے لگیں، غریب آم بوئے اور ببول کے درخت پیدا ھو جائیں۔ جزا قوم ، قبیلے اور رنگ روپ سے بھی متاثر نہیں ھوتی ؛ حبشی کے اعمال اور رومی کے افعال اگر یکساں ھیں تو نتیجہ بھی یکساں ظاہر ھوگا ۔ جب یہ ظاہر ھے کہ دنیا و آخرت دونوں میں اسی عادل خدا کی بادشاھت ھے تو کیونکر ممکن ھے کہ یہاں قانونِ عدل کارفرما ھو اور آخرت مین اس کی نمود نہ پائی جائے ۔



رسالت

نبوت — امامت

بہت نہ سہی، اگر کائنات پر کم از کم دو ھی خدا حکمراں ھوتے تو یہ ماننا آسان تھا کہ ایك خدا فطرت کا خالق ھے اور دوسرا آسمانی کتابیں بھیجا کرتا ھے ۔ ”اس لئے کبھی کبھی ایسا ھوتا ھے کہ قوانین فطرت کا تقاضا کچھ اور ھے اور

آسمانی کتاب کا مطالبہ کچھ اور۔ فطرت اپنی ازلی فیاضیوں کی بنا پر ہم کو صنفی جبلت (Sex Instinct) عطا کرتی ہے ؛ اور آسمانی کتاب کہتی ہے کہ خبردار عورت کے پاس بھی نہ جانا، یہ کالا ناگ ہے، بس ڈس ہی لے گا۔

فطرت ہم کو حفظ ذات (Self-Preservation) کا سبق پڑھاتی ہے ؛ کائنات کے ذرے ذرے میں اور ہمارے جسم کے ہر بنِ مو میں دشمن کا مقابلہ کر کے اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کا رجحان ودیعت کیا گیا ہے ؛ اور آسمانی کتاب ہے کہ اھمسا کی تعلیم دے رہی ہے کہ "جو تیرے ایک رخسار پر چانٹا رسید کرے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دے"۔

فطرت ہم کو اس طرف بلا رہی ہے کہ ہر کام مل جل کر کرو کہ نظام مجلسی تعاون و اشتراک کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا مذہب یہ کہتا ہے کہ جبلتِ اجتماعی (Gregarious Instinct) کو ٹھکرا کر گوشہ نشینی اختیار کرو۔ بستیوں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں کو بساؤ ۔ خود کچھ کام نہ کرو ہاں دوسروں کی کمائی ہوئی دولت سے پیٹ بھرتے رہو کہ نجات کی راہ اور

حیات ابدی کا ذریعہ یہی ہے "۔

لیکن جب ہم ایک ہی خدا کے قائل ہوں ، اور اسی کو خالقِ فطرت اور منزلِ کتاب مانیں ؛ اور پھر ایک ایسا مذہب دنیا کے سامنے پیش کریں جس کے قوانین آئینِ فطرت کے خلاف ہوں ، تو ہمارے پاس کوئی عذر ایسا نہیں رہتا کہ عقل کی بارگاہ میں قابل پذیرائی ہوسکے ۔

اسلام دین فطرت ہونے کا مدعی ہے (فاقم وجهك للدين حنيفاط فطرت الله التى فطر الناس عليها ط لا تبديل لخلق الله ط ذالك الدين القيم ق و لكن اكثر الناس لا يعلمون، روم : ۳۰) اس لئے اس کے جملہ آئین و قوانین کی بنیاد فطرت پر ہونی چاہئے۔ پوری کائنات کا جائزہ لینا تو ہمارے بس کی بات نہیں ، مگر اپنے گرد و پیش نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خدا کسی چیز کو خلعت وجود بخشتا ہے تو اس کی بقاء کے لئے سامان بھی مہیا کرتا ہے ۔ وہ منعمِ ازلی ہر ذات کو وجود کے ساتھ ساتھ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کی قوتیں بھی عطا کرتا ہے (یا دوسرے لفظوں میں) اس کے اندر ایسی قوت پیدا کرتا ہے جو اس کے لئے بمنزلۂ ہادی

کے ہوتی ھے۔ خدا کا یہ قانون ساری کائنات میں جاری و ساری ھے۔ خود ھی فرماتا ھے :—

ربناالذی اعطی کل شیءٍ خلقه ثم هدی (طه : ۵۰) ھمارا رب وہ ھے جس نے ھر چیز کو خلعت وجود بخشا اور پھر (وسائل زندگی و معاش) کی ھدایت عطا کی۔

الذی خلق فسوی ، والذی قدر فهدی (اعلی : ۲-۳) وہ جس نے پیدا کیا اور تکمیل کی ، جس نے (اس کی قوتوں اور جبلتوں) کا اندازہ مقرر کر دیا اور پھر (جد و جہد اور وسائلِ معاش) کی ھدایت کی۔

جمادات اور نباتات میں اس قانون کی عملداری کا اندازہ تو فلسفیوں اور سائنس دانوں کی دور بیں نظریں ھی لگا سکتی ھیں اور لگا تی ھیں ، مگر حیوانات میں تو اس اصول فطرت کا عمل دخل اتنا واضح ھے کہ ھر شخص کو نظر آسکتا ھے۔ مچھلی کے بچوں کو پانی میں تیرنا ، چو پایوں کے نوزائیدہ کو ماں کی پستان سے دودھ پینا ، آخر کون سکھاتا ھے ؟ یہ اسی ھادی کا فیضان ھے جس کو کبھی وجدان اور کبھی عقل حیوانی کہا جاتا ھے۔

مرغی کے چوزے بلی کو دیکھ کر بے چین ہوجاتے ہیں۔ چیل
کے آتے ہی سہم جاتے ہیں۔ سانپ کو دیکھ کر شور مچانے
لگتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اسی پوشیدہ قوتِ ہدایت کی بنا پر
جو خدا نے ان کو خلعت وجود کے ساتھ بخشی ہے، بلکہ ان کے
وجود کا جزو ہے۔ انسانوں کے لئے تو خدا نے صاف صاف
فرمادیا ہے:—

ونفسٍ وما سواھا ٥ فالھمھا
فجورھا و تقواھا ٥ قدافلح
من زکھا ٥ وقد خاب من دسھا ٥
(شمس: ۷ تا ۱۰)

نفس اور وہ چیزیں جو اس
کو معراجِ تکمیل تک
پہنچاتی ہیں خود شاہد ہیں
کہ اس نے اس (نفس) کو
الہام کردیا ہے کہ کیا چیزیں اس کو گمراہ کرتی ہیں اور کیا
چیزیں اس کو برائیوں سے بچاتی ہیں۔ پس جس نے تزکیۂ نفس
کیا، اس نے فلاح پائی، اور جس نے اس کو آلودہ کیا،
وہ ناکام و خاسر رہا۔

اس مختصر بحث کو اگر پورے طور پر زیر غور لایا جائے
تو یہ نتیجہ برامد ہوتا ہے کہ فطرت کا یہ قانون ہے، اور
خداوند عالم نے قران شریف میں اس قانون کی تصدیق کی ہے

که هر فرد کے نظام جسم میں ایك هادی موجود هوتا هے ' جو اس پر وسائل معاش منکشف کرتا هے؛ اور اس کو مضر چیزوں سے بچنے اور مفید چیزیں حاصل کرنے کی هدایت کرتا هے۔ اس هدایت کو کبھی وجدان ، کبھی جبلت ' کبھی عقل حیوانی اور کبھی الهام کے نام سے موسوم کیا جاتا هے ۔ یاد رکھئے که جب کوئی فرد قوانین فطرت کی خلاف ورزی کر کے عوارض و آلام میں مبتلا هوجاتا هے، تو یه عقل حیوانی بھی کمزور هو کر رهنمائی سے قاصر رهتی هے ۔ یا جب اس عقل سے کام لینا چھوڑ دیا جاتا هے اور یه مدتوں تك معطل رهتی هے ، تو بالاخر اس پر غیبت طاری هو جاتی هے ۔

جب هم کرۂ ارض پر نگاه ڈالتے هیں تو هم کو دو قسم کے جاندار نظر آتے هیں ۔ ایك تو وه جو انفرادی زندگی بسر کرتے هیں ۔ دوسرے وه جو مل جل کر رهتے هیں۔ انسان کا تعلق اسی دوسری قسم کے جانداروں سے هے ۔ آئیے دیکھیں که : : مل جل کر رهنے والے جاندار اپنی سوسائٹی کے نظام کو کس طرح قائم

: : Social animals:

رکھتے ہیں ؟

دیمک، شہد کی مکھیاں، گھوڑے، ہاتھی وغیرہ کو ان کے فطری ماحول میں دیکھئے۔ یہ اجتماع پسند جاندار چھوٹے بڑے گروہ بنا کر رہتے ہیں۔ اور ان کے ہر گروہ میں ایک قائد، امیر اور رہنما ہوتا ہے، جس کو فطرت کی طرف سے قیادت کی صلاحیت اور بصیرت عطا کی جاتی ہے۔ ساری کی ساری جماعت اس قائد کی زیرِ نگرانی اپنے اپنے فرائضِ منصبی میں مشغول رہتی ہے اور اس کی رہنمائی میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر کرتی ہے۔ ان جانداروں کی نقل و حرکت کا غائر مطالعہ کرنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ در حقیقت ان کا قائد فطری اور جبلی طور پر اپنے اندر قیادت کی ایسی صلاحیت رکھتا ہے کہ کلیات کیا جزویات میں بھی غلطی کا ارتکاب نہیں کرتا۔

ذرا دیمک کے نشیمن پر نظر ڈالئے۔ یہ دن کے اجالے سے دور، سورج کی روشنی سے پرے، تیرہ و تاریک مقامات پر رہتی ہے۔ جنوبی امریکہ میں اس کے نشیمن ۲۰ ۲۰ فٹ اونچے مقامات پر بھی دیکھے گئے ہیں۔ اللہ اللہ اس ملک میں اس

کی جائے سکونت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ لاکھوں دیمکیں مل جل کر رہتی ہیں۔ مگر کیا مجال ہے کہ کوئی اپنے فریضہ سے غافل ہو، اور حرام خوری کرے۔ ہر فرد اپنے قائد کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے۔ اور فطری قیادت کی بدولت اس چھوٹے سے جاندار نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے، یہاں تک کہ اس کے نشیمن میں چھوٹے چھوٹے باغ بھی ہوتے ہیں جو قائد اور نوزائیدہ دیمکوں کو خوراک بہم پہنچاتے ہیں؛ مگر قائد کے علاوہ کسی بڑی دیمک کی یہ ہمت نہیں ہے کہ اس باغ سے مستفید ہوسکے۔ جس طرح ہم اور آپ دودھ دینے والے جانور پالتے ہیں، اسی طرح خدا کی یہ ننھی سی مخلوق بھی کچھ ایسے چھوٹے چھوٹے کیڑے پالتی ہے جنکے پیٹ سے دودھ کی قسم کا رقیق و سیال مادہ نکل کر ان کے کام و دھن کی تواضع کرتا ہے۔

شہد کی مکھیوں کے حیرت انگیز اجتماعی نظام کے حالات سے کون ناواقف ہے۔ ایک مکمل چھتے میں تقریباً دوہزار نکھٹو اور تیس ہزار کارکن مکھیاں ہوتی ہین اور ایک امیر کی زیر قیادت اپنے فرائض خیر و خوبی سے ادا کرتی ہیں۔

خداوند عالم اس لائحۂ عمل کا ذکر کرتا ہے جو اس نے

شہد کی مکھیوں کو تلقین فرمایا ھے۔

و اوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتاً ومن الشجر ومما یعرشون ○ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربك ذللاً ط (نحل : ٦٨-٦٩)

(تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں، درخت پر اور ان ٹٹیوں میں جو اس کام کے لئے بلند کی جاتی ھیں اپنے لئے چتھے بنائے۔ پھر ھر قسم کے پھلوں سے رس چوسے اور اپنے رب کی (بتائی ھوئی) راھوں پر جھك کر چلتی رھے)

وسط ایشیا میں گھوڑوں کے گلوں پر نظر ڈالئے۔ برما جا کر ھاتھیوں کے غولوں کا غائر مطالعہ کیجئے۔ وھاں آپ کو یہ منظر بڑی وضاحت کے ساتھ نظر آجائے گا کہ ان مضبوط اور توانا جانوروں کی مختلف ٹولیاں ایك قائد کے پیچھے لگی رھتی ھیں ۔ برسوں کے نسلی تجربات اور فطرت کے روز افزوں عطیات نے اس قائد کو یہ سلیقہ عطا کیا ھے کہ وہ آسان راستوں سے اپنے گلے کو ان مقامات کی طرف لے جاتا ھے جہاں اچھا چارہ بآسانی مل سکتا ھے، ھر خطرہ سے ان کی نگرانی کرتا ھے، اور ھر آفت سے ان کو بچاتا ھے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ قائد فطرت کی طرف سے استعدادِ قیادت لے کر آتا ہے اور یہ استعداد نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یعنی ہر اجتماع پسند جاندار کی جماعت میں ہمیشہ ایک قائد فطرت کی طرف سے موجود رہتا ہے۔ فطرت کے علاوہ یہ منصبِ قیادت نہ اس کو کوئی بخشتا ہے، نہ اس سے کوئی چھین سکتا ہے۔

آپ نے موسمی پرندوں (Migratory Birds) کا حال پڑھا ہوگا۔ بلکہ بہت سوں کو دیکھا بھی ہوگا۔ قاز، تلیر، کوئل وغیرہ پرندوں کی اسی قسم میں شامل ہیں۔ یہ مقررہ موسم میں ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔ اور مقررہ مدت کے اندر ہزاروں میل کا سفر بغیر خطا و نسیان کے طے کر لیتے ہیں۔ اللہ اللہ ان بظاہر بے عقل و تمیز پرندوں کو دیکھئے، پھر ہزاروں میل کی مسافت، سفر کے خطرات، عالم غربت کی صعوبات پر غور کیجئے۔ قدرت کا یہ محیرالعقول کارنامہ قائد ہی کی رہنمائی سے ظہور میں آتا ہے اور لاکھوں سال سے برابر ظہور میں آرہا ہے۔ خداوندعالم فرماتا ہے۔ ومامن دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم، (انعام : ٣٨)

(زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور پروں سے اڑ نے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں کہ جو تمھاری طرح امتوں میں منقسم نہ ھو)
الغرض کرۂ ارض پر نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ جس طرح خدا نے فرد کی حفاظت ، حیات اور بقا کے لئے اس کو عقل حیوانی عطا کی ھے، کہ اس کی مدد سے وہ اپنی مقررہ حدود کے اندر منازلِ ترقی طے کرتا ھے، اسی طرح جماعتوں کے نظم و نسق اور ترقی کے لئے وہ قائد مقرر کرتا ھے۔ اس قائد کا درجہ جماعت میں وھی ھوتا ھے جو فرد کے نظامِ جسم میں عقل کا۔ مگر یاد رکھئیے کہ جس طرح عقل قوانین فطرت کی خلاف ورزی کرنے سے معطل، کمزور اور بالاخر غائب ھوتی جاتی ھے، اسی طرح جاندار جب فطری ماحول سے نکل کر مصنوعی ماحول میں آجاتے ھیں تو آھستہ آھستہ استعداد قیادت ان میں سے غائب ھو جاتی ھے۔ چنانچہ گھوڑے، ھاتھی اور دوسرے اجتماعیت پسند جاندار جب اپنا فطری ماحول چھوڑ کر انسان کی غلامی قبول کرلیتے ھیں اور نیچر کے مناسب و مفید دسترخوان سے اٹھ کر انسان کے مہمان خانے مین آجاتے ھیں، تو آھستہ آھستہ

ان کی صلاحیت رهنمائی سلب هو جاتی هے۔ جو شخص چاهے وہ جنگل کے گھوڑے اور اصطبل کے گھوڑے، جنگل کے هاتھی اور فیل خانے کے هاتھی کی حالت کا مقابلہ کر کے اس فرق کا اندازہ لگا سکتا هے۔

اجتماعیت پسند (سوشل) جانداروں پر پھر نظر ڈالئے، دیکھئے کہ وہ ایك قائد کی رهنمائی میں زندگی کی دشوار گذار گھاٹیاں طے کر رهے هیں، اور حیات کے مشکل مسائل حل کرنے میں مشغول هیں۔ یہ قائد اپنے هم جنسوں سے بلحاظِ فراست و طاقت اشرف و اعلی نظر آتا هے۔ اس کی دور بینی اور بصیرت، شجاعت اور قوت اس کو اپنے افرادِ معاشرہ سے ممتاز کرتی هے۔ یہ دور بینی اور بصیرت اس کو کہاں سے ملتی هے؟ موجودہ عہد کے حکماء یہ کہتے هیں کہ لاکھوں سال کے عرصہ میں جانداروں کی کوئی نسل جو تجربات حاصل کرتی هے، وجدان، جبلت اور حواس کی مدد سے جو معلومات کا ذخیرہ جمع هوتا هے، وہ باپ سے بیٹے کی طرف منتقل هوتا رهتا هے۔ اس طرح قائد بیٹا اپنے قائد باپ سے وہ تمام ذخیرۂ معلومات حاصل کرتا هے جو اس کو جماعت کی رهنمائی اور حفاظت میں مدد

دیتا ھے۔

قران اس ذخیرۂ معلومات کو ''کتاب،، کے نام سے موسوم کرتا ھے۔ اور ہم کو بتاتا ھے کہ ھر قائد ایك کتابِ ھدایت اپنے وجود کے ساتھ لے کر آتا ھے : : اور اسی کتاب کی مدد سے وہ اپنے فرائض قیادت انجام دیتا ھے۔ یہ کتاب اس کی نسل میں وراثتاً منتقل ھوتی رھتی ھے۔ نہ اس طرح کہ ھرایك کو ملے بلکہ اللہ اس کی نسل سے جس کو چاھتا ھے پسند فرمالیتا ھے (ثم اورثناالکتب الذین اصطفینا من عبادنا) فاطر : ٣٢

اوپر بتایا جا چکا ھے کہ مصنوعی ماحول مین رھنے والے جانداروں سے یہ استعدادِ قیادت سلب ھوجاتی ھے۔ لیکن صحیح یہ ھے کہ اس پر غیبت طاری ھو جاتی ھے۔ اگر یہ جاندار پھر فطری ماحول کی طرف لوٹ جائیں، تو آھستہ آھستہ یہ استعداد پھر واپس آسکتی ھے۔ وہ گھوڑے جو انسان کی غلامی سے آزاد ھوکر جنگل میں جا بستے ھیں ان کی آئندہ نسلوں میں

: : چنانچہ قران سے پتہ چلتا ھے کہ حضرت عیسی مھد میں یہ کہہ رھے تھے انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیاً ۔ ظاھر ھے کہ اس وقت تك انجیل نازل نہیں ھوئی تھی۔ یہ اشارہ تھا اسی کتاب وجودی کی طرف۔ اس سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ قائد ایك کتاب وجودی ساتھ لیکر آتا ھے اور پھر ایك کتاب تنزیلی اس کو آئندہ آھستہ آھستہ عطا کی جاتی ھے۔

یہ استعداد واپس آجاتی ہے۔

اب تك تو حیوانِ مطلق کا ذکر تھا۔ اب انسان کو لے لیجئے کہ یہ بھی اجتماعیت پسند حیوانوں کے گروہ میں شامل ہے۔ احوال و آثار قدیمہ کا معائنہ اور تاریخ عالم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان فطری ماحول سے جس قدر زیادہ قریب رہا، فطری سلسلۂ ہدایت سے اسی قدر زیادہ مستفید ہوتا رہا، مگر نام نہاد تمدن و تہذیب نے اس کو فطرت سے جس قدر دور کردیا، رسول اور قائد کے فیض سے یہ اسی قدر محروم ہوتا گیا۔

یاد رکھئے کہ میں جب فطری ماحول کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے میری مراد وحشت، بربریت اور درندگی نہیں ہوتی، بلکہ وہ زندگی ہوتی ہے جو قوانین فطرت کے مطابق ہو اور انسان کے بنائے ہوئے جھوٹے آئین سے اس کو دور کا بھی لگاؤ نہ ہو۔ قران کہتا ہے :۔

وما كان الناس الا امة واحدة   ابتدا میں انسان ایك گروہ تھے
فاختلفوا   (یونس : ۱۹)   پھر باہم دگر مختلف ہو گئے۔

كان الناس امة واحدة ط فبعث   (ابتدا میں) انسان ایك ہی

الله النبين مبشرين و منذرين ص   گروه تھے ۔ (جب اختلاف
وانزل معهم الكتاب بالحق   پیدا ھوا تو) الله نے بشارت
ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه   دینے والے اور ڈرانے والے
(بقرة : ٢١٣)   نبی بھیجے اور ان کے ساتھ
سچی کتاب نازل کی تاکہ وہ انسانوں کے اندر جن چیزوں
میں اختلاف پیدا ھو گیا تھا ان کا فیصلہ کریں ۔

بنی آدم آھستہ آھستہ مختلف قوموں میں تقسیم ھوتے چلے گئے، آب و ھوا کے اثر اور جغرافیائی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ان کے رنگ روپ اور چہرے مہرے میں فرق پیدا ھونے لگا ۔ مگر خدا انسانوں کی ھر قوم اور ھر نسل کو ھادی عطا فرماتا رھا ۔ لکل قوم هاد (رعد : ۷)

نسل آدم نے بڑھنا شروع کیا اور جس گروہ کو جدھر خوراك ملی اور آرام نظر آیا ادھر جانکلا ۔ کوئی مصر، عراق، عرب اور فلسطین میں جابسا؛ کسی نے ملك ھند آ آباد کیا؛ کوئی ایران میں رہ گیا ؛ کوئی یورپ کی طرف جانکلا ؛ مگر الله کسی کی ھدایت سے غافل نہیں رھا، ولقد بعثنا فی کل امة رسولاً (نحل : ٣٦) (ھم نے ھر امت میں ایك رسول مبعوث کیا) ۔

ابتدا میں جب سفر کی دشواریاں زیادہ تھیں اور ایك ملك سے دوسرے ملك جانا مشکل تھا ، تو انسانوں کے یہ مختلف گروہ ایك دوسرے سے مل جل نہ سکتے تھے ؛ اس لئے ہر جگہ علیحدہ علیحدہ نبی بھیجنے کی ضرورت تھی ۔ ارشاد ھوتا ھے :—

وکم ارسلنا من نبی فی الاولین (زخرف : ٦)

آھستہ آھستہ نسلِ انسانی ذھنی ارتقا کی منزلوں سے گذرتی گئی ، فاصلے طے ھونے کے سامان مہیا ھوگئے ، فن تحریر ایجاد ھوگیا ۔ اس طرح ایك قوم دوسری قوم سے قریب آ گئی اور ایك نسل کا علمی ورثہ دوسری نسل کے لئے محفوظ ھو گیا ۔ اب انبیا اور رسل کے ہر جگہ اور جلد جلد آنے کی ضرورت نہ رھی ۔

لاکھوں برس سے نسلِ انسانی آھستہ آھستہ ارتقائی منازل سے گذر رھی ھے ۔ حفریات ، آثار قدیمہ ، لسانیات ، آسمانی اور تاریخی کتابوں کا مطالعہ بتاتا ھے کہ انسانی ذھن تدریجی ترقی مین مصروف ھے ۔ مگر انسان بڑی حد تك فاعلِ مختار ھے ۔ اور خدا صرف نیك و بد کی تعلیم دے کر اس کو اس کے حال پر چھوڑ چکا ھے (انا ھدیناہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً ٥ دھر : ۳) اس ظالم نے اپنی ذھانت و فطانت سے جس

تہذیب کی بنیاد ڈالی ھے اور جس تمدن کو اختیار کیا ھے، وہ اس کو فطری زندگی سے بہت دور لئے جا رھا ھے۔ ھماری یہ مشکلات، یہ دماغی پریشانیاں اور جسمانی عوارض جن سے آئے دن ھم کو سابقہ رھتا ھے ھماری مصنوعی زندگی ھی کا نتیجہ ھیں۔ جس طرح جانور فطری ماحول مین جسمانی اور روحانی ھر قسم کے عوارض سے بری رھتے ھیں اور انسان کی قید میں آکر ھر قسم کے امراض میں مبتلا ھو جاتے ھیں، اسی طرح انسان بھی اگر اپنے طرز بود و ماند، غذا اور دیگر ضروریات کو فطری قواعد کے ماتحت رکھتا، تو یہ سیاسی و معاشی ھنگامے برپا نہ ھوتے، جنھوں نے سچ مچ نسل انسانی کو مبتلا ئے صد بلا کر دیا ھے؛ اور جن کی وجہ سے یہ نظر آرھا ھے کہ اگر یہی لیل و نہار رھا تو کرۂ ارض پر بنی آدم کا نام و نشان بھی باقی نہ رھے گا۔

ھمارا ذھنی ارتقا اور دماغی نشو و نما ھم کو غلط راستہ پر لئے جا رھا ھے۔ اور ھم فطرت کی عطا کی ھوئی قوتوں سے مفید کے بجائے مضر کام لے رھے ھیں۔ اپنی بے راہ روی کی وجہ سے ھم ابتداءً کچھ مشکلات میں پھنس گئے

تھے - ان سے نکلنے کے لئے بھی ھم نے غلط طریقے سوچے
اور اس سے ھماری مشکلات میں مزید اضافہ ھوگیا - اس
جانور کی طرح جو جال میں پھڑ پھڑا رھاھو اور جتنا زیادہ
پھڑ پھڑائے، جال کے جکڑ بند میں اتناھی زیادہ جکڑتا جائے،
ھم مشکلات کی قید و بند میں اسیر ھین اور نکلنے کی جو
تدبیر کرتے ھین وہ الٹی پڑتی ھے -

اس اجمال کی تفصیل یہ ھے کہ جب تك نام نہاد تہذیب
و تمدن نے غیر فطری اصول پر نشو و نما پانا شروع نہ کیا
تھا، نسل انسانی کی جماعتیں اپنے قائد کے بتائے ھوئے راستوں
پر چلتی تھین - اور اس قائد کی پہچان یہ تھی کہ وہ علم اور
جسم کے اعتبار سے اپنی جماعت میں سب سے زیادہ ممتاز ھوتا
تھا - اپنے خدا داد علم کی بدولت وہ جماعت کو فطرت کے
رازوں سے مطلع کرتا اور ان کو مادہ سے دست وگریباں ھوکر
ترقی کی راہ پر چلنا سکھاتا، اور جسمانی قوت کی بدولت
ان کو دشمن سے محفوظ رکھتا اور آپس مین جنگ وجدل
سے روکتا - یوں ھی وقت گذرتا گیا - پہلے جب بنی آدم
کم تھے اور اللہ کی زمین وسیع تھی، تو لوگ درختوں کے

پھلوں، خودرو ترکاریوں ، اناج اور شکار کے گوشت سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ لیکن پھل ، ترکاریاں اور غلہ ہرجگہ نہیں پائے جاتے۔ اور شکار کے جانور بھی ہر جگہ نہیں ملتے، اور ملتے ہیں تو ہر وقت بآسانی ان کا ہاتھ آنا دشوار ہے؛ اس لئے ثمردار درختوں ، ترکاریوں اور پھلوں کی کاشت شروع ہوئی؛ اور جانوروں کو پالا جانے لگا۔ اس طرح ذاتی ملکیت کی داغ بیل پڑی۔ جو شخص جس زمین میں کاشت کرتا وہ اسی کی ملکیت ہوجاتی؛ اور جن جانوروں کو پالتا وہ اس کا مال سمجھے جاتے۔ ہر زمین کی حالت یکساں نہیں ہے۔ بعض قطعات تو بالکل بنجر اور اوسر ہیں ، بعض زرخیز اور سیر حاصل؛ اس لئے جن کے پاس اچھے قطعاتِ اراضی تھے وہ ان لوگوں کی نظروں میں کھٹکتے تھے جو اس نعمت سے محروم تھے۔

حرص وطمع کا برا ہو کہ اس نے لوٹ مار اور قتل و غارت کی داغ بیل ڈالی اور ہوشیار و توانا لوگ کمزوروں کو مار پیٹ کر ان کی زمین اور ان کے مال و متاع پر قابض ہونے لگے۔ اب تک کمالِ علم و قوت ذریعۂ تفوق تھا اور خدمتِ خلق میں صرف ہوتا تھا۔ اب زرخیز زمینوں کی ملکیت اور دولت کی

فراوانی ذریعۂ تشخص بن گئی ۔ اب بڑے زمیندار اور بڑے دولت‌مند لوگ غریبوں پر حکومت چلانے کے لئے ھاتھ پیر نکالنے لگے ؛ اور آھستہ آھستہ اس تمدن کی بنیاد پڑی جس کی انتہا موجودہ سرمایہ دارانہ نظام ھے ۔

اب انسان کا علمی کمال اور جسمانی تفوق خاك میں مل گیا ، اور عظمت صرف دولت کے ذریعہ سے ملنے لگی ۔ ابراھیم و نمرود ، موسی و فرعون اور شبیر و یزید کی معرکہ آرائی دراصل ان دو نظریوں کی جنگ تھی کہ آیا قوم کی قیادت کا حق صاحب ثروت و دولت کو ھے ، یا صاحب علم و عمل کو ؟ ابتدا میں چونکہ دماغی اور جسمانی فضیلت ھی نشانِ قیادت تھی ، اس لئے لوگوں کو قائدین کی پہچان میں دقت نہ ھوتی تھی ، اور ھرکس و ناکس قیادت کا دعوی نہ کرسکتا تھا ؛ اور چونکہ سوسائٹی عدم مساوات اور امتیازات سے آشنا نہ تھی ، اس لئے قیادت اور خدمت دراصل دو مترادف لفظ تھے ۔ ظاھر ھے کہ جب قیادت کوئی منفعت بخش پیشہ ھی نہ تھا ، تو اس میں مقابلہ و مسابقہ کی گنجایش ھی کیا تھی ۔ مگر جب "زر و زمین" کی غیر عادلانہ تقسیم نے سوسائٹی میں

امتیازات قائم کردئے ، تو دولت‌مندوں کے گرد صاحبانِ احتیاج کا مجمع ہونے لگا۔ اور ھاں مین ھاں ملانے والوں کے اس گروہ کو دیکھ کر ان کو بھی شوقِ قیادت پیدا ھوا۔ جسمانی قوت کی تلافی انہوں نے تنخواہ دار لشکر رکھ کر کرلی اور دماغی افلاس کا علاج ھوشیار خوشامدیوں کی بزم مشورت سے کرنا چاھا۔

اس طرح منصوص من‌اللہ قائدین کے مقابلہ مین خودساختہ قائدین کی صف آرائی شروع ھو گئی ، آھستہ آھستہ انسانوں کا مصنوعی تمدن بڑھتا گیا اور نسلِ آدم قوانینِ فطرت سے دور ھوتی گئی۔ غذا ، پوشش ، طرز بود و ماند ، تہذیبِ اخلاق ، تدبیر منزل اور سیاست مدن ھر چیز میں مصنوعی عنصر کا غلبہ ھوتا گیا۔ تصنع و تکلف جس قدر بڑھا ، اسی قدر جسم و عقل کا تعلق فطرت سے منقطع ھوتا گیا ، جسم بھی علیل رھنے لگے ، اور عقل بھی۔ جسم بھی مصنوعی طور پر طاقتور بنائے جانے لگے ، اور عقل بھی۔ آھستہ آھستہ عصمتِ فکر و عصمتِ عمل مٹتی گئی اور فطری قائدین کی تعداد گھٹنے اور مصنوعی قائدین کی تعداد بڑھنے لگی۔ فطری قائدین

مصنوعی ماحول مین شاذ و نادر پیدا ہوئے، ہاں ان قوموں
میں ان کا ظہور ہوتا رہا جو مصنوعی ماحول سے بڑی حد
تک دور تھیں۔ ہمارے سامنے پوری دنیا کی تاریخِ دعوت
و تبلیغ نہیں ہے۔ ہم صرف مغربی ایشیا اور اس کے آس پاس
کے ممالك میں رہنے والی سامی نسلوں کی دینی تاریخ سے واقف
ہیں۔ اس کا مطالعہ صاف طور پر بتاتا ہے کہ کلدانیہ،
بابل، نینوا، اشوریا، مصر، فلسطین اور عرب مین نام نہاد
تہذیب و تمدن نے جس قدر ترقی کی یا فطری ماحول سے
جس قدر دوری بڑھی، اسی قدر وحیٔ الٰہی کی آواز سے
محرومی ہوتی گئی۔

حضرت عیسی بنی اسرائیل کے اس طبقه میں مبعوث
ہوئے اور اس حصۂ سرزمین میں پیدا ہوئے، جو نسبتاً تمدن
کے مضر اثرات سے بچا ہوا تھا۔ ان کے بعد بنی اسرائیل
میں انبیا کی آمد کا پته مشکل سے چل سکے گا۔ سامی نسل کی
وہ شاخ جو بنی اسماعیل کہلاتی ہے عرصه تک تاریخ کی
روشنی سے محروم رہی، اس لئے اس کے سلسلۂ ہدایت کا ہم
کو زیادہ علم نہیں ہے۔ ہود و صالح وغیرہ چند پیغمبروں کے

نام البته سننے میں آتے ھین ۔ ھاں جب بنی اسرائیل کی زندگی
پر غیر فطری ماحول اس قدر غالب آگیا کہ اب اس میں
قائدِ ربانی پیدا کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رھی ، تو بنی
اسماعیل کے گھرانے میں وہ آفتابِ ھدایت طلوع ھوا
جس کی روشنی سے سارا عالم منور ھو گیا ۔ واضح رھے کہ
رسول عربی کی ابتدائی زندگی طائف کے قریب ، پہاڑوں کے
دامن میں گذری ، جہاں بڑی حدتك فطری ماحول موجود
تھا ۔ مبعوث برسالت ھونے سے پہلے آپ کی زندگی کا
بیشتر حصہ صحرا میں بکریاں چرانے اور اسرارِ کائنات پر
غور و فکر کرنے میں گذرتا رھا ۔

نبی کے امی ھونے کی وجہ

پہلے بیان کیا جا چکا ھے کہ حرص و طمع نے انسان
کو اپنی ذاتی ضروریات سے زیادہ زر و زمین رکھنے
کی عادت ڈالی ۔ اس ناجائز قبضہ کو برقرار رکھنے کے لئے
فوجوں کی ضرورت پڑی ۔ مگر صرف طاقت ھی کے بل بوتے
پر یہ قبضہ قائم نہیں رہ سکتا تھا ۔ تلوار سروں کو جھکا
سکتی ھے ، مگر دلوں کو فتح نہیں کر سکتی ۔ قائدین الٰہی کے

پاس وہ چیز تھی جو براہ راست دل و دماغ سے اپیل کرتی
تھی ۔ اس لئے ان نقلی قائدوں نے بھی جھوٹے فلسفہ کی بنیاد
رکھی ۔ عوام کے دل و دماغ کو ماؤف کرنے اور اپنے زیرِ
اقتدار لوگوں کو اپنے حال زار پر قانع رکھنے کے لئے اچھا
خاصا لٹریچر مہیا کر لیا۔ نام نہاد تمدن کی جتنی خرابیاں تھیں سب
کو "ترقی" کا نام دیا ۔ اور جتنے غیر فطری افعال تھے ان کو
تہذیب کے خوشنما لفظ سے تعبیر کیا ۔

اقوال ، ضرب الامثال ، کتابوں اور کتبوں کہ ذریعہ سے
اس مصنوعی تمدن کا پروپیگنڈا کیا جانے لگا ۔ جو شخص
اس تہی دماغ سوسائٹی میں زندگی بسر کرتا ، یا اس مسموم
لٹریچر سے فائدہ اٹھاتا ، اس کا دماغ ایک خاص سانچے میں
ڈھل جاتا ۔ اور اس کا طریقِ فکر بھی بالکل انہی لوگوں کی
طرح ہو جاتا تھا ۔ داعئ حق اور قائد ملت کے لئے ضروری
تھا کہ وہ اس مسموم ماحول سے علیحدہ رہے اور مفلوج
طریقِ فکر سے متاثر نہ ہو ، بلکہ براہ راست کتاب فطرت کا
مطالعہ کرے ۔ کائنات اور حیاتِ انسانی کے متعلق جو نتائج
استنباط کرے وہ پامال اور فرسودہ نہ ہوں بلکہ ان میں فطرت

کی تر و تازگی اور نیچر کی سر سبزی ہو۔ اس لئے نبی کو
مبعوث برسالت ہونے سے پہلے کائنات کا براہ راست مطالعہ
کرنے کے لئے کئی سال کا وقفہ دیا جاتا ہے۔ اس عرصہ
میں وہ دشت و کوہ ، بستی اور ویرانہ ، پھول اور پھل ، حیوان
و انسان اور کائنات میں ان کے اصلی مقام ، انسان کے باہمی
تعلقات اور ان کے مضر و مفید اثرات پر خوب غور کرلیتا ہے۔
اور یہ غور و فکر کسی :: پچھلی کتاب یا قدیم نظریہ کی
مدد و معاونت کے بغیر ہوتا ہے ، اس لئے جو نتائج برآمد
ہوتے ہیں وہ صحیح اور سچے ہوتے ہیں۔ اگر نبی امی
نہ ہو اور پہلے سے کسی کے سامنے زانوئے ادب طے کرچکا
ہو ، تو اس کا طریقِ فکر اپنے استاد اور ان کتابوں کے
اثر سے ماؤف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو اس کے
زیر مطالعہ رہ چکی ہیں۔

نام نہاد متمدن زندگی سے دماغ پر جو اثر پڑتا ہے اور
طریقِ فکر میں جو کجی پیدا ہوجاتی ہے اس کو دور ، اور
خودساختہ تہذیب کے مسموم اثرات کا ازالہ (Disinfect)

:: ظاہر ہے کہ یہاں کتاب سے مراد نوشتۂ انسانی ہے۔

کرنے کے لئے ان انبیا کو جو (اگرچہ ان قبائل میں پیدا ہوئے تھے جن کی زندگی فطرت سے قریب تھی ۔ مگر) متمدن اقوام سے قریب تھے ہجرت کرنا پڑی ہے ۔ حضرت ابراہیم کی شہر ار (Ur) سے ہجرت اور فلسطین میں قیام ، حضرت موسی کا مصر سے نکل کر مدائن میں رہنا ، حضرت عیسی کا تیس سال کی عمر تک لاپتہ رہنا ، خود رسول کریم علیہ وآلہ الصلواۃ والتسلیم کا اوائلِ عمر میں قبیلۂ بنی سعد کے اندر اور بعد میں اکثر شہر کی فضا چھوڑ کر جنگل میں زندگی بسر کرنا اسی غرض سے تھا ۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مامور من اللہ قائد فطری ماحول سے قریب انسانی گروہوں میں پیدا ہوتے ہیں اور وہیں ان کے دماغوں کو نشو و نما کا موقع دیا جاتا ہے ۔ اور اپنے الہی پروگرام کے مطابق اسی فطری ماحول میں وہ ایک نمونہ کا معاشرہ قایم کرتے ہیں ۔ یہ ماڈل سوسائٹی اس لئے قایم کی جاتی ہے کہ اس کو دیکھ کر ، اور اس میں تربیت یافتہ افراد کی تلقین و تعلیم سے متاثر ہو کر ، وہ قومیں بھی ہدایت پاجائیں جو راہِ حق سے بھٹکی ہوئی ہیں ۔

جب ہم کسی تالاب میں ڈھیلا پھینکتے ھیں تو پانی میں تموج پیدا ھوتا ھے اور ایك دائرہ سا بنتا ھے جو آھستہ آھستہ وسیع ھوتا جاتا ھے؛ اور جس قدر زور سے ڈھیلا پھینکا جائے اسی قدر یہ دائرہ زیادہ وسیع ھوتا ھے۔ یہاں تك کہ بعض دائرے تالاب کے کناروں تك جا کر ختم ھوتے ھیں۔ نبی کی یہ ماڈل سوسائٹی اصل میں ایك تموج ھوتا ھے جو بحر عالم میں پیدا کیا جاتا ھے اور منشا یہی ھوتا ھے کہ اس کا دائرہ وسیع ھوتا جائے۔ مگر ٹھیك اس وقت جب پانی مین یہ تموج پیدا کیا جا رھا ھو اگر دوسری طرف سے ردِ عمل ھونے لگے تو اس دائرہ کی وسعت رك جاتی ھے۔ اسی طرح انبیا کی وہ تحریك جس کا آغاز فطری معاشرہ میں ھوتا ھے، اور جس کو آھستہ آھستہ نام نہاد متمدن و مہذب ممالك تك وسیع کرنے کی سعی کی جاتی ھے، بعض اوقات ردِ عمل کی وجہ سے اپنے اثرات کی توسیع سے محروم رہ جاتی ھے۔

آلِ محمد کا نظریہ

آلِ محمد کا نظریہ یہی ھے کہ اسلام اصلاح عالم کی ایك مکمل اور آخری تحریك تھی۔ عرب کے خطہ کو اس تحریك

کے آغاز کے لئے اسی وجہ سے منتخب کیا گیا تھا کہ وہاں فطری ماحول ابھی موجود تھا اور دین فطرت کے پھولنے پھلنے کے امکانات بھی زیادہ تھے۔ پھر یہ ملک زمین کے متمدن اور مہذب ممالک سے اتنا دور بھی نہ تھا کہ یہاں کی آواز نوع انسانی کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ ایشیا، یورپ اور افریقہ کے متمدن ممالک سے اس خطہ کے تجارتی تعلقات تھے اور وہاں کے لوگوں کی آمد و رفت عرب میں ہوتی رہتی تھی۔ اگر یہاں ایک ماڈل سوسائٹی (جو دین فطرت کا عملی نمونہ ہو) وجود میں آجاتی تو اس کا مظاہرہ، اور اس کے تربیت یافتہ افراد کی عملی تلقین و تعلیم سے اس دکھ بھری دنیا کا نقشہ بدلنا آسان تھا۔

رسولِ عربی نے جزیرۃالعرب کو اپنے اصلاحی تجربہ کا معمل بنایا تھا۔ اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہتے یا ان کے بعد یہ عملِ اصلاح انہی لائنوں پر جاری رہتا تو نتائج خاطر خواہ نکلتے۔ اور حج کے سالانہ موقع پر ہم دور افتادہ مسلم سوسائٹیوں کو اسلام کی ماڈل سوسائٹی سے ربط و ضبط قایم رکھنے اور اس کے عمل کی روشنی میں اپنے عمل کی

اصلاح کرنے کا موقع دیتے رہتے۔ مگر افسوس کہ رسول کریم کی وفات کے بعد ہی عرب تسخیر ممالك کے گورکھدھندے میں پڑ گئے۔ ابھی اسلام ان کے فکر و عمل پر پورے طور سے غالب بھی نہ آنے پایا تھا، تھوڑے سے افراد کو چھوڑ کر بقیہ پر صحیح اسلامی معاشرت کا رنگ پختہ نہ ہوا تھا، کہ روم و ایران کے مسموم تمدن سے ان کی ٹکر ہوئی اور اگرچہ مادی فتح عربوں کے ہاتھ رہی، مگر ان کے اذہان و قلوب وہاں کے غیر فطری تمدن سے ماؤف ہو گئے۔ اور اس طرح رسول کریم کا وہ تجربہ جس کے لئے انھوں نے ۲۳ سال تك پاپڑ بیلے تھے ناکام رہا۔

ایران و روم کی فتوحات کے بعد مسلمان ایك ایسی قوم ہوکر رہ گئے جو اپنی قوت، طاقت اور اعلی تنظیم کی وجہ سے ہر روز نئے ملك فتح کرتی رہی اور اقوام غیر کے نظریات و معتقدات کے معبد پر اپنے اصول دین کے متاع کو قربان کرکے سستی ہردلعزیزی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

وہ اقوامِ غیر جن سے مسلمانوں کو سابقہ پڑا قوت اور دولت کی پرستار تھیں۔ ان کے یہاں قیادت اور قانون سازی کا

حق بادشاہ کو تھا ؛ اور بادشاہ اس کو کہتے تھے جو زمینوں پر قابض اور لشکروں اور خزانوں کا مالك ھو۔ مسلمان بھی یہی سمجھنے لگے کہ ھمارا قائد ، امیر اور سردار وھی ھے جو زمینوں کو فتح کر کے لشکروں کی مدد سے اس پر اپنی حکومت قایم کرسکے ، اور وھاں کا دھن دولت سمیٹ کر ھمارے کام و دھن کی تواضع کے سامان مہیا کردے۔ آلِ محمد نے اس سے اختلاف کیا اور بتایا کہ قیادت :: «بسطة فی‌العلم‌والجسم» سے حاصل ھوتی ھے۔ مال و دولت کی کثرت ، یا کسی تنخواہ دار لشکر کی مدد سے ممالك عالم پر قبضہ کسی کو مامور من‌اللہ نہیں بنا سکتا ۔

:: تمدن زدہ اور تہذیب آلودہ اقوام کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو بھی بادشاھی کا شوق چرایا ۔ اس واقعہ کا ذکر قران شریف مین اس طرح کیا گیا ھے ۔ الم تر الی الملا منہم بنی اسرائیل منہم بعد موسی م اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی‌سبیل اللہ ط قال ھل عسیتم ان کتب علیکم القتال الا تقاتلوا ط قالوا ومالنا الا نقاتل فی سبیل‌اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا ط فلما کتب علیھم القتال تولوا الا قلیلا منھم ط واللہ علیم بالظالمین o وقال لھم نبیھم ان‌اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا ط قالوا انی یکون‌له‌الملك علینا و نحن احق بالملك منه ولم یؤت سعة من‌المال ط قال ان‌اللہ اصطفه علیکم وزادہ بسطة

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

ھمارا بادشاہ اللہ ھے۔ یہ ساری زمین اسی کی ملکیت ھے۔ قانون سازی کا حق بھی اسی کو ھے۔ وہ اپنی طرف سے اس سرزمین پر ایک نائب مقرر کرتا ھے۔ اس نائب کا کام قانون

(بقیۂ صفحۂ گذشتہ)

ی العلم والجسم ط واللہ یوتی ملکہ من یشاء ط واللہ واسع علیم (بقرہ : ٢٤٧)

اے پیغمبر کیا تم نے اس واقعہ پر غور نہین کیا جو موسی کے بعد بنی اسرائیل کے سردارون کو پیش آیا تھا ؟ انھوں نے اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی تھی کہ ھم اللہ کی راہ میں جہاد کرین گے ھمارے لئے ایک ,,ملک،، مقرر کردیجئے۔ نبی نے کہا (مجھے امید نہیں کہ تم ایسا کرسکو) اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بعید نہیں ھے کہ تم لڑنے سے انکار کردو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایسا کیوں کر ھوسکتا ھے کہ ھم اللہ کی راہ مین نہ لڑیں، حالانکہ ھم اپنے گھرون سے نکالے جا چکے ھیں، اور اپنی اولاد سے علیحدہ ھو چکے ھین۔ مگر جب انھیں جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک تھوڑی سی تعداد کے سوا سب نے منہ موڑ لیا۔ اللہ ظالموں سے خوب واقف ھے۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو ,, ملك ،، مقرر کردیا ھے۔ (یہ سن کر) وہ کہنے لگے کہ یہ کیوں کر ھو سکتا ھے کہ اس کو ھم پر حکمرانی (کا حق حاصل ھو) اس سے زیادہ تو ھم حکمرانی کا حق رکھتے ھیں کہ اس کو مال و دولت کی وسعت حاصل نہیں ھے۔ نبی نے یہ سنکر کہا (حکمرانی کی اھلیت کا جو معیار تم نے مقرر کر لیا ھے یہ غلط ھے) اللہ نے اس کو تم پر (حکمرانی کے لئے) منتخب فرمایا ھے اور علم کی فراوانی اور جسمانی طاقت کی وسعت اس کو عطا کی ھے۔ اللہ جس کو چاھتا ھے ملك عطا فرماتا ھے۔ وہ بڑی وسعت رکھنے والا ھے، اور سب کچھ جاننے والا ھے۔

سازی نہیں ھے۔ وہ کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دے سکتا۔
وہ صرف اس مالك حقیقی کے احکام کو نافذ کرتا ھے۔ اور
خالق و مخلوق اور فرد و معاشرے کے باھمی ربط کو قایم
رکھنے کی کوشش کرتا ھے۔

ھادی اور قائد کے دو منصب ھیں، ایك تبلیغ یعنی
خداوندعالم سے احکام حاصل کر کے امت تك پہنچا دینا؛
دوسرے تنظیم یعنی ان احکام کی بنیاد پر سوسائٹی کو منظم
کرنا۔ پہلے منصب کا حامل نبی کہلاتا ھے، اور دوسرے پر
فائز ھونے والا امام۔ اکثر ایسا ھوا ھے کہ دونوں منصب
ایك ھی ذات میں جمع ھو گئے ھیں مثلاً حضرت ابراھیم
علیہ‌السلام، حضرت محمد صلی‌اللہ علیہ والہ وغیرہ، کہ یہ حضرات
بیك وقت نبی بھی تھے اور امام بھی۔ منصبِ نبوت رسولِ
عربی کی ذات پر ختم ھوا یعنی بنی آدم کی فلاح و بہبود کے
جتنے احکام خدا کی طرف سے نازل ھونے والے تھے نازل
ھوچکے اور ان سب کو دنیا کے سامنے پیش کردیا گیا، مگر
تنظیم ملت اور تحفظ امت کا منصب بدستور باقی ھے۔ حضرت
علی علیہ‌السلام سے لیکر امام حسن عسکری علیہ‌السلام تك

گیارہ آئمہ یہی فریضہ انجام دیتے رہے۔ از بس کہ دنیا نام نہاد تہذیب و تمدن کے مسموم اثرات سے بری طرح مجروح و مشلول ہوچکی ہے اور فطری زندگی سے اسکا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اس لئے قانون فطرت کے مطابق بارھویں امام پردۂ غیبت میں ہیں۔ جب نظامِ معاشرت کو تباہی سے بچانے کے لئے بنی آدم کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہو چکیں گی۔ چارون طرف ٹھوکریں کھا کر جب وہ فطری زندگی کی طرف لوٹیں گے، تو قائم آلِ محمد کا ظہور ہوگا (اللھم عجل فرجه و سھل مخرجه)۔ ان بزرگوار کا نشو و نما بالکل فطری ماحول میں ہوا ہے۔ اور قدرت آنے والے زمانہ کے لئے ان کو محفوظ کئے ہوئے ہے۔



قیامت

—:o:—

اس کارخانۂ قدرت پر نگاہ ڈالئے۔ یہاں ہر شے کی ایک تاثیر ہے، اور ہر عمل کا ایک نتیجہ۔ قانون مکافات کائنات

کے گوشے گوشے مین جاری و ساری ھے ۔ آگ کا کام جلانا ھے ۔ آپ اس مین ھاتھ ڈالینگے تو ضرور ھے کہ وہ جل جائے ۔ برف کی طبعی خاصیت برودت ھے ۔ آپ اس کا ایك ٹکڑا زبان پر رکھینگے تو لازمی طور پر وہ سرد ھو جائے گی ۔

قیامت ، روز جزا ، یوم الدین اس دن کا نام ھے جب افراد و اقوام کو اپنے اعمال کے طبعی نتائج سے دوچار ھونا پڑے گا ۔

الیوم تجزون بما کنتم تعملون ۝ (جاثیه : ۲۸) — آج تمھین اس کی جزا ملے گی جو تم کیا کرتے تھے ۔

لتجزی کل نفس بما تسعی ۝ (طه : ۱۵) — تاکہ ھر نفس کو اس (عمل) کا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتا تھا ۔

و ذوقو اعذاب الحریق ۝ ذالك بما قدمت ایدیکم وان الله لیس بظلام للعبید ۝ (انفال : ۵۰-۵۱) — جلنے کے عذاب کا مزا چکھو، یہ تمھارے ھاتھ کے پہلے کئے ھوئے کاموں کا بدلہ ھے، اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۔

یہ عالم کون و فساد ھے ۔ یہاں ایك چیز پیدا ھوتی ھے آھستہ آھستہ نشو و نما پاتی ھے اور شباب کی رعنائیوں ...

بہرہ اندوز ھوتی ھے، پھر ایك وقت آتا ھے کہ گھٹنے لگتی ھے اور انحطاط کے آخری نقطہ تك پہونچکر فنا ھوجاتی ھے۔ جب اجزا کا یہ حال ھے تو یہ کل عالم بھی قانون فنا سے بچ نہیں سکتا۔ سائنس داں کہتے ھیں کہ اس نظام عالم کی تعمیر میں تخریب کے جراثیم پوشیدہ ھیں اور قران اپنے واضح اور دلکش انداز میں اس حقیقت پر اس طرح روشنی ڈالتا ھے۔

اذا زلزلت الارض زلزالھا ○ واخرجت الارض اثقالھا ○ وقال الانسان مالھا ○ (زلزال: ۱-۳) جب زمین خوب ھلائی جائے گی اور وہ اپنا بوجھ نکال کر پھینك دے گی اور انسان کہے گا کہ زمین کو ھو کیا گیا۔

اذا السماء انفطرت ○ واذا الکواکب انتثرت ○ واذا البحار فجرت ○ (انفطار: ۱-۳) جب آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے اور سمندر چلائے جائیں گے؟

اذا الشمس کورت ○ واذا النجوم انکدرت ○ واذا الجبال سیرت ○ (تکویر: ۱-۳) جب آفتاب تاریك کیا جائے گا، جب ستارے سیاہ ھوجائیں گے، جب پہاڑ چلائے جائیں

یوم تکون السماء کالمھل ○ وتکون گے، جب آسمان پگھلے ھوئے

الجبال کالعہنِ o (معارج : ۸-۹) تانبے اور پہاڑ دھنکے ہوئے
اون کی مانند ہوجائیں گے۔

کیا مردے زندہ ہوسکتے ہیں؟

اس مسئلہ پر ہمیشہ بحث و مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ موافقین
بڑے بڑے فلسفیانہ دلائل سے حیات بعدِ موت پر استدلال
کرتے ہیں اور مخالفین اس کی تردید میں اتنی ہی بڑی دلیلیں
پیش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ بالکل الجھ کر رہ جاتا ہے۔

قرآن شریف نے اس مسئلہ پر آئینِ فطرت کی روشنی میں
بحث کی ہے۔ اور مشاہداتی دلائل سے مخالفین کو مطمئن کرنے
کے سامان بہم پہنچائے ہیں۔

قال من یحی العظام وھی رمیمo اس نے کہا کہ ان سڑی گلی
قل یحییھا الذی انشآھا اول ھڈیوں کو جِلائے گا کون؟
مرۃ ط (یسین : ۷۸) کہدے وہی جس نے ان کو
پہلی دفعہ (نیست سے) ہست کر دکھایا۔

ایحسب الانسان ان یترك کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ
سدی o الم یك نطفة من منی وہ یوں ھی بیکار چھوڑ دیا
یمنیo ثم کان علقة فخلق فسوی o جائیگا؟ کیا وہ پانی کی ایك

فجعل منه الزوجين الذكر
والانثى ○ اليس ذالك بقدر على
ان يحيى الموتى○ (قيامه : ٣٦-٤٠)

ٹپکی ہوئی بوند نہ تھا؟ پھر وہ
بندھا ہوا خون ہوا، پھر خدا
نے اس کو بنایا اور خوب
اچھی طرح بنایا - پھر اس کو جوڑا یعنی نر و مادہ کیا (اب بتاؤ
تو سہی کہ) کیا وہ خدا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلا دے؟

فقال الكفرون هذا شئ عجيب ○
ءاذا متنا و كنا ترابا ج ذالك
رجع بعيد ○ قد علمنا ما تنقص
الارض منهم ج و عندنا كتاب
حفيظ ○ بل كذبوا بالحق لما
جاءهم فهم فى امر مريج ○ افلم
ينظروا الى السماء فوقهم كيف
بنينها و زينها و ما لها من فروج ○
والارض مددنها والقينا فيها
رواسى و انبتنا فيها من كل
زوج بهيج ○ تبصرة و ذكرى لكل
عبد منيب ○ ونزلنا من السماء ماء

کافروں نے کہا کہ کیسی عجیب
بات ہے کہ جب ہم مر کھپ
کر مٹی ہوجائیں گے (تو پھر
زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ لوٹنا
تو بعید از عقل ہے - (خدا
فرماتا ہے، اس میں تعجب
کی بات کیا ہے) ان میں سے
جو کچھ زمین کم کرتی ہے اس کا
ہم کو علم ہے اور ہمارے پاس اس
کا ایک محفوظ رکارڈ رہتا ہے -
بات یہ ہے کہ ان کافروں نے
اپنے پاس آئی ہوئی سچائی

مبرکا فانبتنا به جنت وحب
الحصیدo والنخل بسقت لهـا
طلع نضید o رزقا للعباد واحیینا
به بلدة میتاً ط کـذالك الخروجo
کـذبت قـبلهم قـوم نـوح و
اصحب الرس و ثمود o وعاد و
فرعون واخوان لوط o و اصحب
الایکه و قوم تبع ط کل ـذب
الـرسل فحق وعیـدo افعیینا
بالخلق الاول بل هم فی لبس
من خلق جدیدo (ق: ۲-۱۵)

کا انکار کر دیا۔ بس وہ الجھن
مین پڑ گئے ۔ کیا انھوں نے
اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا
کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا
اور کس طرح سجایا کہ اس
میں کہیں سوراخ نہیں؛ اور
زمین کو پھیلایا اور اس میں
پہاڑوں کے لنگر ڈالے اور اس
میں قسم قسم کی رونق دار
چیزیں اگائیں کہ ہر رجوع
ہونے والے بندے کے لئے
باعث بصیرت و یادگار ہو۔ آسمان سے برکت والا پانی
برسایا ۔ پھر اس سے باغ اور کھیتی (فصل) کے اناج اگائے اور
کھجوروں کے لانبے درخت جن کے خوشے اوپر تلے ہیں ،
یہ بندوں کو روزی پہنچانے کے لئے ہے اور اس پانی سے ہم
مردہ قطعۂ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ بس اسی طرح (قبروں)
سے نکلنا ہوگا ۔ ان کافروں سے پہلے نوح کی قوم ، رس والوں ،

اور ثمود ؛ عاد ، فرعون اور لوط کے بھائی بندوں؛ اور جنگل والوں
نے اور تبع کی قوم نے اس کو جھٹلایا۔ (ان میں سے ہر ایک)
نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ تو ہماری دھمکی پوری ہوکر رہی، کیا
ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے (جو دوبارہ پیدا نہیں کرسکتے)
بات یہ ہے کہ ان کافروں کو از سرنو پیدایش میں شک ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں خدا نے یہ ظاہر فرمایاہے کہ کائنات
میں ہر چیز فنا ہوکر پھر مبعوث ہوتی ہے۔ باد سموم کے تیز و تند
جھونکے سبزہ زاروں ، گل پوش پودوں اور ثمردار درختوں کو
جھلس دیتے ہیں ۔ ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ یہ ویران کھیتی
اب کبھی سرسبز و شاداب نہ ہوگی ۔ لیکن پھر بارانِ رحمت کے
دو چار چھینٹے مردہ زمین میں جان ڈال دیتے ہیں اور خزاں
رسیدہ چمن میں پھر بہار آنے لگتی ہے، زمین پر سبزہ لہلہانے
لگتا ہے ، ندی نالے پانی سے بھر جاتے ہیں۔ سارا جنگل جل
تھل ہوجاتا ہے اور جہاں کوسوں زندگی کا نام و نشان نہ تھا
وہاں قدم قدم پر جاندار ہی جاندار نظر آنے لگتے ہیں ۔ پھر
جب کرۂ ارض پر موت و حیات کا یہ تماشا آئے دن نظر آتا ہے
تو انسان اپنے مر کر زندہ ہونے کو کیوں محال سمجھتا ہے ؟

فروعِ دین

—:—

نماز

اگر ہم اسلامی عبادات کا غور سے مطالعہ کریں تو یہ حقیقت صاف طور پر نمایاں ہوجاتی ہے کہ ان کے اندر روحانی منافع کے علاوہ سیاسی ، معاشی ، اور تمدنی فوائد بھی مضمر ہیں۔ خدا کی بندگی اور نماز کے طریقے دنیا کے سارے مذہبوں میں موجود ہین ، مگر اسلامی نماز سب سے نرالی شان رکھتی ہے۔ یہاں یہودی ربیوں اور عیسائی راہبوں کا وہ مراقبہ نظر نہیں آتا جو خانقاہوں کے کونوں میں بیٹھ کر سرانجام پاتا تھا ؛ نہ بدھ مت کے بھکشوؤں اور ہندو دھرم کے سادھوؤں کی طرح یہ طریقِ عبادت وھاروں یا ایکانت کٹیوں کا محتاج ہے ؛ نہ یہاں مختلف مندر اور معبد ہیں جو جدا جدا خداؤں اور دیوتاؤں کی پوجا کے لئے مخصوص ہوں ؛ نہ مدارج اور طبقات کا امتیاز ہے کہ جس کا مظاہرہ روح مساوات کو گھلا دے۔

آئیے مسجد کے اندر آکر دیکھیئے۔ چھوٹے بڑے، امیر غریب، کالے گورے، عرب اور غیر عرب سب ایك صف میں کھڑے ھیں۔ جس کو جہاں جگہ مل گئی کھڑا ھو گیا۔ سجدے کے وقت کہیں گدا کے پاؤں بادشاہ کے سر کے آگے ھین : اور قیام کے وقت کہیں موٹے موٹے ھونٹ والا سیاہ فام حبشی غلام سفید فام آقا کے ساتھ شانے سے شانا ملائے ھوئے کھڑا ھے۔ سب ایك ھی مرکز کی طرف جھك رھے ھیں۔ ایك ھی زبان میں اپنے خالق سے عرض و معروض کر رھے ھیں۔ مکان و لسان کے سب فرق اور طبقات و مدارج کے سارے امتیازات یہاں غائب ھیں۔ جوزف ھیل (Joseph Hell) نے اپنی کتاب تمدنِ عرب (The Arab Civilisation) میں کیا خوب فرمایا ھے :—

”جس کسی نے مسلمانوں کو نماز کے وقت صفوں میں کھڑا ھوا اور حیرت انگیز یکسانیت، ضبط اور وقار کے ساتھ قیام و قعود بجا لاتے دیکھا ھے، وہ اس منظم طریق عبادت کی تعلیمی قدر و قیمت کا اعتراف کئے بغیر نہ رھے گا۔ اگر ھم (اس وقت) صرف یہ یاد رکھیں کہ (عرب) ایك ایسی مغرور

قوم تھے جو غیر کی مرضی کے سامنے جھکنا پسند نہ کرتی تھی، یہ وہ لوگ تھے جو جذبۂ اطاعت سے قطعی بے بہرہ تھے، تو فوراً ہم کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ضبط و نظم کی روح کو بیدار کرنے کے لئے یہ طریقِ عبادت کس قدر اہم ہے۔ یقین مانئے کہ اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ مسجد ہی اسلام کی سب سے پہلی فوجی تربیت گاہ ہے۔ جماعت کی نمازوں کے وقت مومنوں کا ایک دوسرے سے ملناجلنا یکجہتی اور اتحاد کی روح کو نشو و نما دیتا اور مساوات انسانی کے جذبات کا نقش جماتا تھا، ملک عرب میں یہ خیالات بالکل نئے تھے۔،،

اس کتاب میں جا بجا یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کی یہ خصوصیت عبادت میں بھی نمایاں ہے۔ وہ دوسرے مذاہب کی طرح انسان کے فطری رجحانات کو نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم جنگلوں، پہاڑوں کے غاروں، سمندروں اور دریاؤں کے پانی میں جا کر عبادت کرو۔ یا ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر رات بھر منتر جپتے رہو۔ وہ اس کی جبلتِ اجتماعی (Gregarious Instinct) کی رعایت کرتا ہے۔ اس کے مدنی بالطبع ہونے کو نظر انداز نہیں کرتا۔

زندگی کی دوڑ میں جو مشکلات اس کو پیش آتی ھیں ان کو پیشِ نظر رکھتا ھے۔ اور نماز کا وہ طریقہ بتاتا ھے جو ایک طرف بہت سہل ھے اور دوسری طرف ھر حیثیت سے مفید ھے۔ ذرا اوقاتِ نماز پر نظر ڈالئے۔ جب آپ رات بھر کے آرام سے بیدار ھوتے ھیں تو اس خدا کے شکرانے کا دوگانہ بجالاتے ھین جس نے آپ کو نیند کی نعمت سے بہرہ اندوز کیا اور اس کے سکون بخش اثرات سے آپ کی روح و جسم کو بالیدگی عطا فرمائی۔ خدا کا نام لیکر آپ اپنا کاروبار شروع کرتے ھین۔ زوال کا وقت آتے آتے آپ کا جسم آرام کا طالب اور وقفہ کا متمنی نظر آنے لگتا ھے۔ اب آپ تھوڑی دیر کے لئے کاروبار بند کردیتے ھیں اور اس خدا کی بارگاہ میں حاضر ھوتے ھیں جس کی دی ھوئی طاقتوں کے بل بوتے پر آپ اپنا کاروبار چلاتے ھین۔

اس وقفہ کے بعد پھر آپ کام میں مشغول ھوجاتے ھین اور شام کو جب آپ اپنی دن بھر کی محنت سے فارغ ھوتے ھین تو پھر اللہ کے حضور میں سر جھکاتے ھیں کہ اس نے یہ دن خیروخوبی سے گذار دیا۔ پھر جب آپ سونے کے لئے جاتے

لگتے ہیں تو آخری مرتبہ پھر اللہ کے حضور میں سر بسجود ہوتے ہیں اور رات کے خیر و عافیت سے گذرنے کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔

عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والوں کو ان روحانی وقفوں کے مادی فوائد کا احساس ہو یا نہ ہو مگر مزدور پیشہ لوگ جانتے ہیں کہ محنت و مشقت کے دوران میں یہ وقفے کس قدر سکون بخش اور آرام رساں ثابت ہوتے ہیں؛ اور ان وقفوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد تھکے ماندے اعضا میں کس طرح از سر نو کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔



روزہ

پارسیوں کو چھوڑ کر دنیا میں شاید ہی کوئی قوم ایسی ہو جو "روزے" کی افادیت سے انکار کرسکے: یا جس کے دین و مذہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں موجود نہ ہو۔ مگر اسلامی روزے کی شان سب سے نرالی ہے۔ یہاں

روزہ بھی ایک اجتماعی عمل اور قومی و ملی شغل کی شکل
اختیار کر گیا ہے۔ آج جب یورپ میں جنگ کا بازار گرم ہے
اور متحارب فریق ایک دوسرے کی ناکہ بندی کر رہے ہیں،
تو ہم بار بار (Rationing) کا نام سنتے ہیں۔ یعنی ضروریات
زندگی اور خصوصیت کے ساتھ کھانے پینے کی چیزوں پر
حکومت کی نگرانی ہے، اور ہر شخص کو "نپا شوربا اور گنی
بوٹی" دی جاتی ہے۔ اسلام اپنے پیرووں کو ہر سال مہینہ بھر تک
نصف غذا (Half Ration) پر رکھ کر ایک طرف تو ان کے
اندر فوجی زندگی کو برقرار رکھتا ہے اور دوسری طرف کفایت
شعاری، نفس کشی اور دوسروں کے دکھ درد کے احساس کی
عادت ڈالتا ہے۔ فرض کیجئے کہ دنیا میں ساٹھ کروڑ مسلمان
ہیں اور ہر مسلمان اپنی غذا پر اوسطاً چار آنہ فی وقت
خرچ کرتا ہے، تو ایک مہینے میں وہ سات روپیہ آٹھ آنے
بچا سکتا ہے۔ اب ان سات روپیہ آٹھ آنے کو ساٹھ کروڑ
سے ضرب دیجئے اور دیکھئے کہ مسلمان اگر چاہیں تو رمضان
میں کتنی بڑی دولت بچا کر دین و ملت کے مفید کاموں میں
صرف کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے رمضان کے مہینے میں

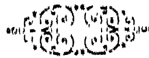
افطار کے وقت مسلمانوں کے اجتماعات ، ان کی مساجد کی چهل پہل اور پھر عید کے اتحاد پرور نظارے دیکھے هیں ؛ وہ اندازہ لگا سکتے هیں که روزوں کے اس اجتماعی مظاهرے سے تمدن اور سیاست کے کیسے کیسے نکتے حل هو تے هیں؛ اور یکجہتی اور مواسات کو اس سے کتنی تقویت پہونچتی ھے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان کی ساری تباہ کاریاں دو جبلی خواهشوں کی وجه سے ظہور میں آتی هیں (۱) خوردو نوش (۲) جنسی میلان ؛ روزہ انهی دو جبلتوں کو قابو میں لانے کی مشق ھے۔ گویا ماہ رمضان مسلمانوں کے لئے ایک سالانه ٹریننگ کیمپ (تربیت گاہ) ھے جهاں ضبط نفس کی تعلیم و تربیت کا سامان مہیا کیا جاتا ھے۔ مندرجه ذیل آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ھے :—

یا یھاالذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون٥ (بقرہ : ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر بهی روزے اسی طرح فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تهے؛ تا که تم پرهیزگاری حاصل کرو۔

اگر نماز ظاہری مساوات پیدا کرتی ہے، تو روزہ باطنی مساوات کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ اس کی بدولت امیر اور خوش حال لوگون کو اپنے غریب اور فاقہ مست بھائیوں کی تکلیف میں شریک ہونے کا موقع ملتا ہے۔ وہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہ کر اس اذیت کا احساس کر لیتے ہین جو فاقہ کی وجہ سے ان کے غریب بھائیون کو آئے دن ستاتی رہتی ہے۔ اور اس طرح ہمدردی کا جذبہ ان کے دل مین موجزن ہوتا ہے۔ اور وہ حقارت جو فاقہ مست لوگوں کی طرف سے ان کے قلب مین مسکن گزین تھی دور ہو جاتی ہے۔



زکواۃ

دولت کی صحیح اور مناسب تقسیم کا مسئلہ ہر ملک اور ہر عہد میں پریشان کن رہا ہے۔ بعض مذاہب تو ایسے ہیں کہ انھون نے اس کے حل کرنے کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ بعض نے سرے سے ملکیت کو گناہ قرار دیدیا۔ اور اس طرح بیکاری، مفت خوری اور رہبانیت کی حوصلہ افزائی کی۔

دوسرے معاملات کی طرح اس معامله مین بھی اسلام نے جادۂ اعتدال اختیار کیا ھے۔ اس نے محنت و مشقت کر کے جائز طریق پر دولت کمانے کو گناہ نہیں بتایا، ھاں اس کو روك رکھنے اور راہ خدا مین صرف نه کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذابٍ الیم ० (توبه : ٣٤)	وہ لوگ جو سونے چاندی کو جوڑ جوڑ کر رکھتے ھیں اور راہ خدا میں صرف نہیں کرتے ان کو درد ناك عذاب کی بشارت دیدو۔
ویل لکل همزةلمزة ० الذی جمع مالا وعدده ० یحسب ان ماله اخلده ० کلا (همزه : ١-٣)	طعنه زن اور عیب جو پر وائے ھو، جو مال کو جمع کرتا ھے اور اس کو گن گن کر یه خیال کرتا ھے که اس کا مال اس کو سدا زندہ رکھے گا۔ ھرگز نہیں۔

پھر زکواۃ کا ٹیکس عائد کر کے دولت کو بیکار پڑے رہنے اور ملت اسلامیه کے کام نه آنے سے روك دیا۔ کیوں که جب ھر شخص کو لازمی طور پر سال میں ایك خاص رقم ادا کرنی

پڑے گی تو وہ کوشش کرے گا کہ جہاں تک ہو یہ رقم منافع سے ادا کرے اور اصل سرمایہ کو محفوظ رکھے ۔ واضح ہو کہ زکواۃ انھی چیزوں پر واجب ہوتی ھے جن میں بقا اور نمو ہو یعنی وہ ایك مدت تك اپنی حالت پر باقی رهین اور ان میں پیداوار، تناسل یا مبادلہ کی بنا پر بڑھنے کی صلاحیت موجود ہو۔

زکواۃ کے مصارف قران شریف نے یہ مقرر کئے هیں:—

انما الصدقت للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمولفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل ط فريضة من الله ط (توبه : ٦٠)

صدقات (زکواۃ) فقیروں، مسکینوں اور زکواۃ کے صیغہ میں کام کرنے والوں (کا حق ھے)، ان لوگوں کے لئے ھے جن کی (اسلام کی طرف) تالیف قلوب کرنا ھے، اور (ان لوگوں کی گلوخلاصی کرانے کے لئے ھے) جو غلامی میں هیں یا مقروض هین یا جن کو تاوان دینا ھے۔ (اس کے علاوہ اس کو) راہِ خدا میں (صرف کیا جاسکتا ھے) اور مسافروں کی (امداد کے کام میں لایا جاسکتا ھے)۔ یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر هیں۔

غور سے دیکھئے تو ان آٹھوں مصارف میں نیکی اور خیرات کے تمام شعبے آجاتے ھین ۔

(۱) فقراء اور

(۲) مساکین میں وہ سب محتاج اور مجبور لوگ شامل ھو جاتے ھیں جو کسی بیماری یا مجبوری کی وجہ سے اپنی روزی نہیں کما سکتے ۔

(۳) عاملین مین وہ سب لوگ آجاتے ھین جو محکمۂ زکواۃ مین کام کرتے ھیں ۔

(٤) مولفۃالقلوب کے ماتحت وہ سب امدادیں آجاتی ھین جو لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے دی جائیں ۔

(٥) ,,فی‌الرقاب،، سے یہ مراد ھے کہ غلاموں اور قرضداروں کی گلو خلاصی کرانے کے لئے زکواۃ سے روپیہ صرف کیا جائے ۔

(٦) ,, غارمین ،، کا مطلب یہ ھے کہ جن لوگوں نے لڑنے والے افراد یا قبائل مین مصالحت کرانے کے لئے مالی ضمانت کرلی تھی ان کی یہ ضمانت زکواۃ سے ادا کی جاسکتی ھے ۔

(۷) فی سبیل‌الله یعنی نیکی کے جتنے کام هیں سب زکواة کے روپیه سے سرانجام دئے جاسکتے هیں۔ مثلاً جہاد وغیره۔

(۸) وابن‌السبیل۔ مسافروں کی امداد، اور ان کی راحت رسانی کے سامان بہم پہنچانا، راستوں کی درستی، پلوں اور مسافر خانون کی تعمیر۔

اسلام زکواة کے ذریعه سے مفت خوروں اور کاهلوں کی حوصله افزائی کرنا نہیں چاهتا اس لئے اس نے فقراء اور مساکین کی تعریف بهی بتادی هے۔

للفقراء الذین احصروا فی سبیل‌الله لا یستطیعون ضربا فی‌الارض یحسبهم الجاهل اغنیاء من التعفف ج تعرفهم بسیماهم ج لا یسئلون الناس الحافا ط (بقره : ۲۷۳)

ان مفلسوں کے لئے هے جو الله کی راه میں گهر گئے هیں اور (طلب معاش کے لئے) زمین پر سفر نہیں کرسکتے، ناواقف ان کے نه مانگنے کی وجه سے ان کو بے احتیاج سمجهتے هیں۔ تم ان کے چهره سے پهچانتے هو که وه حاجتمند هیں (اگرچه) لوگون سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔

صدقات جمع کرنے کا طریقہ

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک گشتی حکم میں صدقات جمع کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

انطلق علی تقوی اللہ وحدہ لاشریك له ولا تروعن مسلما ولا تجتازن علیه کارهاً ولا تاخذن منه اکثر من حق اللہ فی ماله فاذا قدمت علی الحی فانزل بماءهم من غیر ان تخالط ابیاتهم ثم امض علیهم بالسکینة والوقار حتی تقوم بینهم فتسلم علیهم ولا تخدج بالتحیة لهم ثم تقول عباداللہ ارسلنی الیکم ولی اللہ و خلیفته لاخذ منکم حق اللہ فی اموالکم فهل اللہ فی اموالکم حق فتؤدوه الی ولیه فان قال قائل لا فلاتراجعه

جاؤ اس خدائے واحد کا خوف دل میں لئے ہوئے جاؤ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ (دیکھنا) کسی مسلمان کو ہرگز نہ ڈرانا اور ایسے وقت اس کے پاس سے نہ گزرنا جب وہ پسند نہ کرتا ہو۔ اور اللہ کا جو حق اس کے مال میں ہو اس سے زیادہ نہ لینا۔ جب تم کسی قبیلہ کے پاس جاؤ تو ان کے گھروں سے دور تالاب کے پاس اترو، پھر سکون و وقار کے ساتھ ان کے پاس جاؤ اور سامنے کھڑے

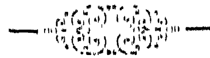
وان انعم لك منعم فانطلق معه
من غير ان تخيفه و توعده
او تعسفه و ترهقه فخذما اعطاك
من ذهب اوفضة فان كان له
ماشية او ابل فلا تدخلها الا
باذنه فان اكثرها له فاذا
اتيتها فلا تدخل عليها دخول
متسلط عليه ولا عنيف به ولا
تنفرن بهيمة ولا تفزعنها ولا
تسوءن صاحبها فيها واصدع المال
صدعين ثم خيره فاذا اختار
فلا تعرضن لما اختاره ثم اصدع
الباقی صدعين ثم خيره فاذا
اختار فلا تعرضن لما اختاره فلا
تزال كذالك حتى يبقى مافيه
وفاء لحق الله فی ماله فاقبض
حق الله منه فان استقالك فاقله

ہو کر پہلے سلام کرو اور
پورے آدابِ تحیہ بجالاؤ۔
پھر یہ کہو کہ اے بندگانِ
خدا! مجھے خدا کے ولی اور
اس کے خلیفہ نے تمہارے
پاس اس لئے بھیجا ہے کہ
تمہارے اموال میں جو کچھ
حق خدا کا ہے وہ تم سے
وصول کرلوں۔ پس اگر واقعی
تمہارے پاس اللہ کا کوئی حق
ہے تو اس کو ولی اللہ کے
پاس پہونچادو۔ اس پر اگر
کوئی یہ کہے کہ ”نہیں“ تو
پھر اس سے تعرض نہ کرو
اور اگر کہے کہ ”ہاں ہے“
تو اس کے ساتھ جاؤ اور
بغیر ڈرائے، دھمکائے، زبردستی

ثم اخلطهما ثم اضع مثل الـذی صنعت اولا حتی تـاخـذ حق اللہ فی ماله (نہج البلاغه)

اور سختی کے جو کچھ وہ سونے اور چاندی مین سے دے لے لو۔ اگر اس کے
پاس مویشی ہوں اور اونٹنیاں ہوں تو ان کے گلے میں بغیر اس
کی اجازت کے داخل نہ ہو کیونکہ زیادہ حصے کا مالك تو
آخر وہی ہے؛ اور جب (مالك کی اجازت سے) اس مین داخل
بھی ہو تو اس طرح نہیں جیسے تسلط جمانے والے اور ظالم
شخص داخل ہوتے ہین، نہ کسی جانور کو بھڑکاؤ، نہ ڈراؤ،
غرض ان کے ساتھ کوئی ایسی بات نہ کرو جو مالك کو بری
معلوم ہو؛ اور مال کو دو حصوں میں تقسیم کردو پھر اس کو
اختیار دیدو کہ (وہ جو حصہ چاہے لے لے) اسی طرح باقی
نصف کو بھی دو حصوں میں تقسیم کردو اور اس کو اختیار دیدو
(کہ جو حصہ چاہے لے لے) اور جب وہ کوئی حصہ پسند
کر لے، تو اس سے اس حصہ کی بابت کچھ تعرض نہ کرو۔
پس برابر ایسا ہی کرتے رہو یہاں تك کہ فقط اس قدر مال
باقی رہ جائے جس سے خدا کا حق پورا ہوتا ہو۔ بس اس
کو لے لو۔ (پس اگر اس میں کوئی ایسا جانور آجائے جس کے

دینے سے) مالك معافی مانگے تو معاف کردو اور تمام اموال کو باهم ملا کر اسی طرح از سر نو تقسیم کرو، یہاں تك که تم اس کے مال میں سے حق اللہ بھی لے لو (اور اسے شکایت کا موقع بھی نه رهے)۔



خمس

---:o:---

اسلامی بیت‌المال کی آمدنی کے ذرائع زکواة و صدقات تھے۔ تاریخ عالم کا مطالعه بتاتا هے که شاهانِ وقت اور امراءِ زمانه جن کا تسلط خزانوں پر هوتا هے آهسته آهسته ان خزانوں سے خود هی بهره اندوز هونے لگتے هیں اور اس کو عامته‌الناس کی فلاح اور بهبود پر صرف نہیں کرتے۔ اسلام نے اس خرابی کا کلیةً انسداد کرنا چاها۔ اور زکواة و صدقات کی آمدنی رسول پر جو اس وقت امیرِ اسلام تھے اور آلِ محمد پر جنکو آئنده چل کر امیرِ اسلام هونا تها بالکل حرام کردی۔ لیکن رسولِ اسلام بھی انسان تھے، فرشتے نه تھے۔ گھر بار

رکھتے تھے، بیویاں تھیں، بچے تھے اور آئندہ بھی جن کو امراءِ اسلام ھونا تھا ان کا بھی ضروریاتِ زندگی سے فارغ البال ھونا ضروری نہ تھا۔ اس لئے زکواۃ کے بجائے ان کے لئے خمس کی آمدنی تجویز کی گئی۔ مال غنیمت یا دفینوں یا کانوں اور دریاؤں سے نکلی ھوئی دولت یا سال بھر کے خرچ کے بعد بچے ھوئے سرمایہ کے پانچویں حصہ کو خمس کہتے ھین اور یہ محمد و آلِ محمد کا حق ھے۔

واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان‌لله خمسه و للرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن‌السبیل (انفال : ۴۱)

جان لو کہ جو کچھ تم کو مال غنیمت ملے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے، اور رسول کے لئے، اور اس کے رشتہ دارون کے لئے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لئے ھے۔

مسئلہ خمس ان مسائل میں سے ھے جن پر مسلمانوں نے بہت بحث و مباحثہ کیا ھے۔ یہ تو سب مانتے ھین کہ زکواۃ اور دوسرے صدقات کی آمدنی اس لئے تھی کہ اس سے مسلمانوں کا جماعتی نظام قائم کیا جائے، رفاہ عام کے کام سرانجام پائیں اور صاحبِ احتیاج لوگون کی امداد ھوسکے۔ تو کیا

آلِ محمد محض اس جرم مین که وه رسول مقبول کے اقرباء تھے اس مصرفِ خیر سے محروم کردئے گئے جس سے سب مسلمانوں کو بہرہ اندوز ہونے کا حق حاصل تھا؟ کیا آلِ محمد کو زندگی کی جدو جہد میں کبھی امداد کی ضرورت نه پڑتی تھی، کیا ان مین فقیر و مسکین اور مسافر پیدا ہونے کا امکان کلیةً مفقود ہو گیا تھا؟

بیشك ان پر زکواة حرام تھی لیکن ان کے فقراء و مساکین یعنی محتاج، مجبور اور ان لوگون کے لئے جو اپنے علمی مشاغل کی وجه سے طلب معاش پر قادر نه تھے (احصروا فی سبیل‌الله لا یستطیعون ضرباً فی‌الارض) کسی اور بابِ آمدنی کی ضرورت تھی۔ یه باب خمس تھا۔

زکواة آلِ محمد پر کیوں حرام تھی؟ کیا اس لئے که وه نجاست ھے، گندگی ھے؟ تو پھر دوسرے مسلمانون کو اس گندگی کے کھانے کی کیون اجازت تھی؟ کیا آلِ محمد دوسرے مسلمانوں سے افضل و اعلی تھے؟

ھان ھاں وه گندگی تھی اور صرف آلِ محمد ھی کے لئے گندگی تھی۔ اس لئے که ان کو بیت‌المال کا منصرم ہونا تھا۔

ان پر اس آمدنی کو حرام کر کے خدا نے همیشه کے لئے بیت المال کے روپیه کے محفوظ رهنے کی ضمانت کردی۔

اب چونکه ان کے خاندان میں بهی ضرورت مند انسان هوسکتے تهے اس لئے خمس سے ان کی امداد کا سامان کیا۔ خمس ایك قسم کی اتفاقی آمدنی هے جو کهلے بندوں میدانِ جنگ میں یا کانوں اور دریاؤں سے نکلی هوئی دولت سے هوتی هے اور یه قلیل اور اتفاقی آمدنی آلِ محمد کی احتیاج کے لئے کافی سمجهی گئی۔

خمس کے متعلق مسلمانوں کے دو فرقوں میں جو بحث عرصے سے چلی آرهی هے وه در اصل امارت و خلافت کی بحث هے۔ جب تك اس بنیادی چیز (یعنی امارت) کا فیصله نه هو خمس پر بحث هی نهیں هوسکتی۔ بیشك خمس رسول الله کا حق منصب امامت کی حیثیت سے تها اور اسی منصب کی حیثیت سے زکواة ان پر حرام تهی۔ آپ آلِ محمد پر زکواة تو حرام کئے دیتے هیں اور یه نهین سوچتے که اسی حرمت سے ان کے امام اور منصرمِ بیت المال هونے کا ثبوت ملتا هے۔

جب اسلام محمد و آلِ محمد پر زکواة حرام اور خمس

جائز کر رھا تھا اس وقت اس کے سامنے یہی امر تھا کہ ان کو امامِ امت ھونا ھے۔ چونکہ زمانہ کے انقلابات نے آلِ محمد کو منصرمِ بیت المال نہ ھونے دیا، اس لئے اب صرف "خمس و زکواۃ" کے زبانی بحث و مباحثے باقی رہ گئے ھیں۔ ::

:: اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ھے کہ آنحضرت اور ان کے رشتہ داروں پر صدقات اس لئے حرام تھے کہ بیت المال میں تغلب و تصرف کا امکان باقی نہ رھے۔ آل محمد پر ھمیشہ ھمیشہ کے لئے صدقات کا حرام ھونا یہ بتاتا ھے کہ امارت دین دائمی طور پر ان کے لئے معین ھو چکی تھی۔

کہا جا سکتا ھے کہ بیت المال میں صدقات کے علاوہ جزیہ اور خراج کی آمدنی بھی تو آتی تھی۔ مگر یاد رکھئے کہ یہ آمدنی غیر مسلموں سے وصول ھونی تھی۔ اسلامی پروگرام میں یہ آمدنی عارضی تھی، دائمی نہ تھی۔ اگر عربی امپیریلزم کے بجائے اسلام پھیلتا تو چند روز میں یہ آمدنی ختم ھو جاتی۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں جزیہ کی آمدنی اس قدر کم ھو گئی تھی کہ حکام چلا اٹھے تھے۔ اسلامی پروگرام کے مطابق کسی ملک میں پہلے اسلام پھیلتا ھے۔ پھر وھاں اسلامی نظام حکومت قایم ھوتا ھے۔ مگر عربی امپیریلزم نے فتوحات ملکی پر زور دیا، اس لئے یہ آمدنیاں باقی رھیں۔ بلکہ تاریخ تو یہ بتاتی ھے کہ ان آمدنیوں کی خاطر اشاعت اسلام کو روک دیا گیا۔

محمد و آل محمد کے پروگرام میں یہ آمدنیاں غیر مستقل اور عارضی تھیں۔ ان کے سامنے یہ تصور تھا کہ کسی ملک میں اسلام کی اشاعت سے پہلے وھاں نظام حکومت اسلامی قایم ھی نہیں ھو سکتا۔ وہ تلوار کے زور سے نہیں بلکہ ترغیب و تحریص کے ذریعہ سے اشاعت دین کرنا چاھتے تھے۔

حج



حج کا نظارہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ھے۔ لاکھوں آدمی ھیں، کوئی کالا، کوئی گورا، کوئی امیر، کوئی غریب، کوئی یورپ اور ایشیا کے بہترین متمدن شہر سے آیا ھے، کوئی افریقہ کے جنگلوں کا رھنے والا ھے۔ یہ سب ایک ھی قسم کے سادہ لباس میں ھیں اور ایک ھی عالمگیر زبان میں لبیک اللھم لبیک کہہ رھے ھیں۔ یہاں شاہ و گدا، آقا اور غلام کے امتیازات غائب ھیں اور ملکی، لونی اور لسانی تفرقوں کا پتہ بھی نہیں۔

عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ھر صاحبِ مقدرت مسلمان کو اس مساوات پرور اور عدل آفرین اجتماع میں شریک ہونے اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو عملی لباس میں دیکھنے کا موقع ملتا ھے؛ اور یہ خوشگوار منظر غبی سے غبی انسان کو بھی یہ سمجھانے کے لئے کافی ھے کہ اللہ کی نظر میں سارے بنی آدم یکساں ھیں، اور ملکی و طبقاتی تفریقیں انسان کی خود ساختہ ھیں۔

ھزاروں سال ٹھوکریں کھانے کے بعد اقوامِ عالم قومیت
اور وطنیت کے محدود دائروں سے نکلنے کے سامان کررھی ھیں ،
وہ ایك مرکز بنانے کے لئے بیچین ھیں ، ایك ایسی زبان
ایجاد کرنا چاھتی ھیں جو شرق سے غرب تك اور شمال سے
جنوب تك مبادلۂ خیالات کا ذریعہ بن سکے۔ اسلام چودہ
سوسال پہلے یہ تجویز دنیا کے سامنے عملاً پیش کرچکا ھے۔
مغرب کے مفکر آج بین الاقوامی اجتماعات (International
Conventions) میں دنیا کی نجات دیکھ رھے ھیں ، اور یہ
حج سینکڑوں سال سے دنیا کو بین الاقوامی اتحاد کی طرف
دعوت دے رھا ھے۔ مسلمانوں میں جب تك روحِ اسلام
کارفرما رھی یہ حج کا موسم ان کی سیاسی ، تمدنی اور تجارتی
ترقی میں بڑا حصہ لیتا رھا۔ ھر سال مکہ کی سرزمین پر
اکنافِ عالم کے مدبر، تاجر، عالم اور فاضل لوگ جمع ھوتے
تھے اور ایك دوسرے کے حالات و ضروریات سے واقف
ھوکر ملتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لئے متحدہ کوششیں
کرنے کا موقع پاتے تھے۔"

یہ سرزمین تھی جہاں علوم و فنون ، اشیاءِ تجارت ، اور

اخلاق و عادات کا مبادله هوتا تها - اس زمانے میں جب وسائلِ سفر محدود تھے اور آمد و رفت اس قدر آسان نه تهی، احکامِ اسلام کا دور دراز شہروں بلکه ملکوں تك پهیل جانا اسی حج کی بدولت تها - اور آج بهی اس موقع سے فائده اٹھا کر هم ,, ملتِ اسلامیه،، میں روحِ تازه پیدا کرسکتے هیں -

مکۂ معظمه جہاں یه بین‌الاقوامی اجتماع هوتا هے صرف ایك شہر هی نہیں هے، بلکه توحیدِ الهی اور حق پرستی کا پرانا مرکز هے - اس کے ذره ذره پر دینِ فطرت کی تاریخ لکھی هوئی هے -

اس مقدس گهر کی جو آج مسجودِ عالم بنا هوا هے پہلے پہل آدم نے بنیاد ڈالی - پهر ابراهیم اور اسماعیل نے اس کو دوباره تعمیر کیا - آخر میں دعوتِ توحید کے سب سے بڑے داعی محمد رسول‌الله نے اس مقام کو رونق بخشی اور علی جیسے زبردست توحید پرست نے عین خانهٔ کعبه مین ولادت پائی -

جب کوئی حاجی اس سرزمین پر قدم رکهتا هے تو اس مقام کی پوری تاریخ اس کی نظر کے سامنے آجاتی هے؛ اور

وہ محسوس کرنے لگتا ھے کہ میں آج جس مقام پر سعی و طواف میں مشغول ھوں اس پر بڑے بڑے انبیاء ، آئمہ اور صلحاء کے قدم پہنچ چکے ھیں؛ اور جس خاك پر میں سجدہ کر رھا ھوں وہ دنیا کے بہت سے الوالعزم انسانوں کی جبینِ نیاز سے مس ھو چکی ھے۔ اس طرح وہ حاجی اپنے آپ کو ایك ایسی عالمگیر برادری کا فرد پاتا ھے جس کا سلسلہ ھزاروں سال سے جاری ھے اور کون جانتا ھے کہ کتنے ھزار سال تك جاری رھے گا۔

Lady Evelyn Cobbold نے اپنی کتاب (Pilgrimage to Mecca) میں حج کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ھے :۔

"حج کے اثرات و نتائج میں مبالغہ کی گنجایش نہیں۔ چار دانگ عالم سے آنے والے لوگوں کے اس زبردست اجتماع میں جو اس مبارك موقع اور مقدس مقام پر (جسکو تین مذاھب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے جد امجد کی یاد نے مقدس بنادیا ھے) منعقد ھوتا ھے شامل ھونے اور سب کی معیت میں خضوع و خشوع کے ساتھ خدا کی تکبیر و تمجید

کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے دل و دماغ پر اسلامی اصول و عزائم کا مفہوم پورے طور پر نقش ہوجائے اور اس کو اس سب سے زیادہ روح پرور عمل میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہو جو انسان کو شاذونادر ہی نصیب ہوتا ہے۔

مولدِ اسلام کی زیارت، اس زمین پر چلنا جس کو حضرت محمد کے طویل دورِ ابتلا و مصائب کی یاد نے متبرک بنادیا ہے، قربانی، بذلِ نفس اور ایثار کے ان شاندار سالوں میں دوبارہ زندگی بسر کرنا اور اپنی روح کو اس آسمانی نور سے منور کرنا ہے جس نے تمام کرۂ ارض پر اجالا کردیا تھا۔ لیکن صرف اتنا ہی نہیں ہے۔ اور باتوں کے علاوہ حج ان میں اتحاد و اتفاق بھی پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی چیز مسلمانوں کی منتشر طاقتوں کو متحد اور ان کے اندر ہمدردی پیدا کرسکتی ہے تو وہ حج ہی ہے۔ اس کی بدولت ان کو وہ مرکز حاصل ہوتا ہے جس کے گرد وہ اکنافِ عالم سے آکر جمع ہوتے ہیں۔ یہ ان کے لئے (ایک دوسرے سے) ملنے جلنے، تعارف حاصل کرنے، مبادلۂ خیالات اور مقابلۂ تجربات کرنے اور عام فلاح و بہبود کے لئے اپنی سعی و کوشش کو متحد کرنے

کا ایک سالانہ موقع بہم پہنچاتا ھے۔ بُعدِ مکان یہاں دور ہوجاتا ھے۔ فرقہ دارانہ اختلاف نظر انداز کردیا جاتا ھے۔

اس ایمانی برادری میں جو مسلمانوں کو ایک اخوتِ عظیمہ کی شکل مین متحد کرتی ھے اور اپنی شاندار میراث سے مطلع کرتی ھے، نسل اور رنگ کے تفرقے کا نام و نشان بھی باقی نہیں رهتا۔

جب مذهبی فرائض ختم ہوجاتے ھیں تو ھر ملک کے تاجر تجارت کے معاملات پر گفتگو کرتے ھیں اور ایک دوسرے سے لین دین کرتے ھیں۔ فقہاء اور علماء دین اور مسائل فقہ پر، سائنس داں سائنس کی نئی ترقیوں پر، ادیب ادبیات پر، مہاجن لوگ مالیات پر اور ماھرینِ سیاست قومی اور بین الاقوامی سیاست پر بحث و تمحیص کرتے ھیں۔ حج کی رسم مسلمانوں کے لئے محض ایک مقدس فریضہ ھی نہیں ھے بلکہ مجلس اقوام، بین الاقوامی ادارۂ علوم و فنون، اور بین الاقوامی ایوانِ تجارت بھی ھے۔"

مندرجہ بالا سطور میں حج کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ھے وہ دراصل حضرت علی علیہ السلام کے اس

خطبہ کی شرح ہے -

و فرض علیکم حج بیته الحرام
الذی جعله قبلة للانام یردونه
ورود الانعام ویأ لهون الیه ولوه
الحمام جعله سبحانه علامة
لتواضعهم لعظمته واذعانهم
لعزته واختار من خلقه سماعاً
اجابوا الیه دعوته و صدقوا
کلمته و وقفوا مواقف انبیائه
وتشبهوا بملائکته المطیفین
بعرشه یحرزون الارباح فی
متجر عبادته و یتبادرون عند
موعد مغفرته ، جعله سبحانه
وتعالی للاسلام علماً ، وللعائذین
حرماً ، فرض حجه و اوجب
حقه وکتب علیکم وفادته
فقال سبحانه ولله علی الناس

خدا نے تم پر اپنے محترم گھر
کا حج فرض کردیا ، وہ گھر
جس کو اس نے لوگوں کے
لئے قبلہ قرار دیا ہے ، وہ وہاں
اس طرح وارد ہوتے ہیں
جیسے چوپائے (گھاٹ پر) ،
اور اس ذوق و شوق سے اس
پر ٹوٹتے ہیں جیسے جنگلی
کبوتروں کی (ٹکڑی غلے پر)
اس حج کو خدا نے بندوں
کی اس تواضع کا نشان او
اس یقین کی علامت قرا
دیا ہے جو اس کی عظمت
اور عزت کے لئے. ان
دل میں ہے ، اس نے اپن
مخلوق میں سے اپنی (آواز

حج البیت من استطاع الیه سبیلا و من کفر فان الله غنی عن العالمین ۝ (نہج البلاغه)

سننے والے چن لئے، ان لوگوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا اور اس کے قول کی تصدیق کی، اور ان مقامات پر کھڑے ہوئے جہاں اس کے انبیاء کھڑے ہوئے تھے، اور (نظم و ترتیب کے لحاظ سے) ان فرشتوں سے ملتے جلتے نظر آئے جو عرشِ الہی کا طواف کرتے ھیں، یہ لوگ تجارت گاہِ عبادت میں نفع جمع کررہے ھیں۔ اور اس کی وعدہ گاہِ مغفرت کے لئے جلد جلد آگے بڑھ رہے ھیں۔ الله سبحانه تعالی نے اس گھر کو اسلام کی نشانی اور پناہ لینے والوں کے لئے جائے امن قرار دیا ھے۔ اس نے وھاں حج بجا لانا فرض کیا، اور اس کے حق کو واجب کردیا اور اس کی زیارت لازمی قرار دیدی۔ چنانچہ ارشاد ھوتا ھے

"خدا کی طرف سے ان لوگوں پر بیت‌الله کا حج واجب ھے جو وھاں جانے کی استطاعت رکھتے ھیں۔ جو شخص حج سے انکار کرے تو (یاد رکھے) کہ خدا سارے جہان سے بے پروا ھے"۔

جہاد



اللہ اللہ جہاد کے متعلق دنیا کس قدر غلط فہمی میں مبتلا ھے۔ جہاں یہ لفظ منہ سے نکلا نیزے، تلواریں، ہتیار بند سپاھی، تڑپتی ہوئی لاشیں اور خون کے بہتے ہوئے دریا نظر کے سامنے آنے لگے۔ کیا یہی جہاد ھے؟ صادقِ آلِ محمد نے جہاد کی چار قسمیں بتائی ھیں۔ جن میں سے دو فرض ھیں (۱) انسان کا اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرنا۔ یہ جہاد اکبر ھے۔ (۲) جو کفار

---

(۱) علی بن ابراهیم عن ابیه وعلی بن محمدالقاسانی جمیعا عن‌القسم بن محمد عن سلیمان بن داؤد المنقری عن فضیل بن عیاض قال سا'لت ابا عبدالله علیه‌السلام عن الجهاد سنة ام فریضة فقال الجهاد علی اربعة اوجهٍ فجهاداں فرض و جهاد سنة لایقام الا مع فرض و جهاد سنة فاما احد الفرضین فمجاهدة الرجل نفسه عن معاصی‌الله عزو جل وهو من اعظم الجهاد و مجاهدة الذین یلو نکم من‌الکفار فرض واما الجهاد الذی سنة لا یقام الا مع فرض فان مجاهدة العدو فرض علی جمیع الامة ولو ترکوا الجهاد لاتاهم العذاب وهذا هو من عذاب الامة فهو سنة علی‌الامام وحده ان‌یاتی العدومع الامة فیجاهدهم واما الجهادالذی هو سنة فکل سنة اقامها‌الرجل وجاهد فی اقامتها و بلوغها و احیائها فالعمل والسعی فیها من افضل الاعمال لانها احیاء سنة (فروع کافی کتاب الجهاد)

مسلمانوں پر حملہ آور ہوں ان سے مدافعانہ جنگ کرنا۔ اگر دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے تو مسلمانوں پر دفاع واجب ہے۔ اگر مسلمان دفاع سے گریز کریں تو تنہا امام پر سنت ہے کہ مسلمانوں کی معیت میں دشمن سے لڑے۔ کسی مٹی ہوئی سنت کو دوبارہ جاری کرنا بہترینِ اعمال ہے اور یہ بھی جہادِ سنت ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے :: کہ ایک مرتبہ رسولِ خدا نے مسلمانوں کو کسی جنگ پر روانہ کیا۔ جب وہ وہاں سے پلٹے تو فرمایا اس گروہ کا آنا مبارک ہو جو چھوٹے جہاد سے فارغ ہوا، اور جہادِ اکبر ابھی باقی ہے۔ کسی نے دریافت کیا ”اے خدا کے رسول جہادِ اکبر کیا ہے؟“ فرمایا ”جہادِ نفس“۔

اصل مین غلط فہمی کا باعث یہ ہے کہ لوگوں نے جہاد و قتال کو ہم معنی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ جہاد کے معنی

:: علی بن ابراهیم عن ابیه عن النوفلی عن السکونی عن ابی عبدالله علیه‌السلام قال ان النبی صلی‌الله علیه و اله بعث بسریة فلما رجعوا قال مرحبا بقوم قضوا الجهاد الاصغر وبقی الجهاد الاکبر قیل یا رسول الله وما الجهاد الاکبر قال جهاد النفس (کافی کتاب الجهاد)

جدو جہد اور محنت و کوشش کر نے کے هیں ۔

اسلام جس وقت دنیا میں آیا تو اولادِ آدم دو گروهوں
میں تقسیم نظر آتی تھی ۔ ایك وہ جو دنیا دار کہلاتے تھے
اور تنازع للبقا کی جدو جہد میں مردانه وار حصه لیتے تھے ۔
ان کے مقابلے مین دوسرا گروہ دین داروں کا تھا جو
خانقاهوں، غاروں، اور کلیساؤں میں بے عملی کی زندگی
گذار نے کو باعثِ نجات، اور هاتھ پاؤں هلا کر کما نے
کھا نے کو گناہ و معصیت سمجھتا تھا ۔ اسلام نے آکر سست
اور گوشه گیر راهبوں کو بتایا که دین بے عملی کا نام نہیں ھے،
بلکه وہ سرتاپا مجادله و مقابله ھے ۔

لا یستوی القاعدون من
المومنین غیر اولی الضرر
والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم
وانفسهم ط فضل الله المجاهدین
باموالهم وانفسهم علی القاعدین
درجة ط وکلا وعدالله الحسنی ط
و فضل الله المجاهدین علی

ایمان والوں میں سے وہ جن کو
کوئی جسمانی معذوری نه هو
اور پھر (گھر میں هاتھ پر
هاتھ رکھے) بیٹھے رهیں اور
وہ جو خدا کی راہ میں اپنی
جان و مال سے جهاد کررهے
هوں برابر نہیں، الله نے اپنی

القاعدین اجراً عظیماً ٥ (نساء : ٩٥)	جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے فضیلت عطا کی ہے۔ اور ہر ایك سے خدا نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھ رہنے والوں پر بڑے اجر کی فضیلت بخشی ہے۔

اللہ نے مومن کی نشانی ہی یہ بتائی ہے کہ وہ جان و مال سے اعلائے کلمۃالحق کے لئے جدو جہد کرتا رہے۔

انماالمومنون الذین امنوا باللہ ورسولہٖ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ ط (حجرات : ١٥)	مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر اس میں شك و شبہ نہ کیا اور اپنے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کیا۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں جد و جہد کرتے ہیں، خدا ان پر ترقی کی نئی نئی راہیں کھولتا رہتا ہے۔

والذین جاھدوافینا لنھدینھم سبلنا ط (عنکبوت : ٦٩)	اور جو ہماری راہ میں جدو جہد کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے اور راستے بھی کھولتے رہتے ہیں۔

بیشك حق کی حمایت میں قتال بھی جہاد ھے۔ اور محمد و آلِ محمد نے اکثر حفظِ جان و حفاظتِ ایمان کے لئے جنگ کی ھے۔ مگر جیسا کہ اس کتاب میں بار بار بیان ھوا ھے ان کی جنگیں خواہ مخواہ تسخیرِ ممالك اور لوٹ مار کے لئے نہ تھیں۔ " حفاظتِ نفس " کائنات کا ازلی و ابدی قانون ھے۔ اور اس پر عمل کرنا عین مطابقِ فطرت ھے۔ اسلام اگر دفاع کے لئے بھی جنگ کی اجازت نہ دیتا تو وہ دینِ فطرت کہلانے کا مستحق نہ ٹھیرتا۔

یہ اسلامی تخیل کی بلندی ھے کہ وہ مظلوموں کی مدافعانہ جنگ کو عبادت کا درجہ دیتا ھے۔

فالذین ھاجروا و اخرجوا
من دیارھم و اوذوا فی سبیلی
وقاتلوا وقتلوا لا کفرن عنھم
سیاتھم ولادخلنھم جنات
(آل عمران : ۱۹۵)

پھر جنھوں نے اپنا (گھر بار چھوڑ کر) ھجرت کی، اور اور اپنے دیار سے نکالے گئے، اور میری راہ میں ستائے گئے؛ اور انھوں نے قتال کیا اور قتل ھوئے، تو میں ان کے گناھوں کو عفو کردوں گا اور ان کو بہشت میں داخل کروں گا۔

مسلمانوں کی جارحانہ لڑائیوں کے متعلق
آلِ محمد کی رائے

مسلمان بادشاہوں نے عربی تمدن اور سلطنت کو پھیلانے کے لئے جو لڑائیاں لڑیں آلِ محمد نے ان میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام دنیا میں اس لئے نہیں آیا کہ وہ ایک کو دوسرے کا غلام بنانے میں مدد دے۔ بنی امیہ کے دور میں جب مسلمانوں کی حکومت کا سیلاب ایشیا اور افریقہ سے گذر کر ممالک یورپ تک پہونچ چکا تھا، جب مفتوحہ ممالک کی دولت سمٹ سمٹ کر عربوں کے گھر میں آرہی تھی، جب ہر وہ شخص جو ہاتھ میں تلوار رکھتا تھا کسی نہ کسی علاقہ کا والی، کسی نہ کسی فوج کا افسر بننے اور اتنی دولت جمع کرنے کا آرزو مند رہتا تھا جو اس کی پشتوں کی کفایت کرسکے، ایک :: شخص نے امام زین‌العابدین

:: علی بن ابراهیم عن ابیه عن عثمان بن عیسی عن سماعه عن ابی عبدالله علیه‌السلام قال لقی عبادالبصری علی بن الحسین علیه‌السلام فی طریق المکة فقال له یا علی بن الحسین

(آئندہ صفحہ پر)

علیہ‌السلام کو طعنہ دیا کہ آپ حج تو برابر کرتے ہیں کہ وہ ایک آسان مشغلہ ہے مگر جہاد کی شدت سے گھبرا کر اس میں حصہ نہیں لیتے، حالانکہ قران شریف میں اللہ تعالی کا یہ ارشاد موجود ہے :—

ان اللہ اشتری من المومنین	بیشك اللہ نے ایمانداروں سے
انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ط	ان کے جان و مال جنت کے
یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون	بدلے میں خرید کرلئے ھیں
ویقتلون ق وعداً علیہ حقا	وہ اللہ کی راہ مین مقاتلہ کرتے
فی التوراۃ والانجیل والقرانط	ھین۔ مارتے ھین اور مرتےھیں۔
ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا	یہ وہ وعدہ ھے جو توریت،

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ)

ترکت الجھاد وصعوبتہ واقبلت علی الحج ولیۃ ان اللہ عزوجل یقول ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون وعداً علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقران، ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ و ذالك ھو الفوز العظیم فقال لہ علی ابن الحسن صلواۃ اللہ علیھما اتم الایۃ فقال التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المومنین فقال علی بن الحسین صلواۃ اللہ علیھما اذ رائینا ھولاء الذین ھذہ صفتھم فالجھاد افضل معھم من الحج (کافی کتاب الجھاد)

ببیعکم الذی بایعتم به ط وذالك هوالفوزالعظیم ۝

انجیل اور قران میں اس نے اپنے اوپر عائد کیا ھے۔ اور اللہ سے زیادہ عہد کا وفا کرنے والا اور کون ھوگا۔ پس اس سودے پر جو تم نے کیا ھے مگن رھو کہ یہ بڑی کامیابی ھے۔

حضرت امام نے فرمایا کہ ذرا اس آیت کو پورا تو پڑھئیے۔ اس نے پڑھنا شروع کیا :—

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الامرون بالمعروف والناهون عن المنکر والحافظون لحدود الله ط وبشرالمومنین ۝

یہ وہ لوگ ھیں جو توبہ کرنے والے، عبادت گذار، حمد و ثنا کرنے والے، روزہ‌دار، (یا راہِ خدا میں سفر کرنے والے)، رکوع و سجود بجالانے والے، نیک کاموں کا حکم دینے والے، برے کاموں سے روکنے والے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرنے والے ھیں۔ ایسے ھی مومنین کو بشارت دو۔

حضرت نے فرمایا جب ان صفات کے لوگوں کو ھم جہاد کرتا ھوا پائینگے تو یقیناً ان کے ساتھ شامل ھوں گے، کہ اس وقت جہاد کرنا حج سے بہتر ھوگا۔

غور کیجئے اور حضرت کے ارشاد کا لطف اٹھائیے کہ آپ نے کس خوبصورتی سے اس عہد کی حکومت اور اس کے کارپردازوں کے حالات پر روشنی ڈالی ھے؛ اور اس طرح ہم کو یہ تعلیم دی ھے کہ ھر وہ سپاھی جو لوٹ مار اور قتل و غارت کے لئے کسی ملك پر جاچڑھے مجاھد فی سبیل اللہ نہین بن جاتا۔

هزار نکتۂ باریك تر زمو اینجاست
نه هر که سر بتراشد قلندری داند

کیونکہ خدا کے نزدیك فتح و ظفر کے بعد مسلمان کا فرض لوٹ مار کے بجائے آئینِ اسلام کا پھیلانا، بری باتوں کا استیصال اور اچھی باتوں کو رواج دینا ھے۔

الذین ان مکنهم فی الارض اقاموا الصلواة وا تـوا الزکواة و امروا بالمعروف و نهوا عن المنکر (حج: ٤١)	وہ لوگ کہ اگر ھم ان کو زمین پر قبضہ دے دیں تو وہ نماز کو قائم کریں، زکواۃ ادا کریں، اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔

آدابِ جہاد

ذیل میں حضرت علی علیہ السلام کے دو حکم پڑھئے اور

اندازہ لگائیے کہ جہاد بالسیف میں دفاعی حدود کا کس قدر پاس و لحاظ، اور بلا ضرورت خوں‌ریزی سے کس حد تک اجتناب کیا جاتا تھا۔

۱ — لا تقاتلواهم حتى يبدؤكم فانكم بحمدالله على حجة و ترككم اياهم حتى يبدؤكم حجة اخرى لكم عليهم فاذا كانت الهزيمة باذن‌الله فلا تقتلوا مدبراً ولا تصيبوامعوراً ولا تجهزواعلى جريح ولا تهيجوا النساء باذى و ان شتمن اعراضكم و سببن امراءكم فانهن ضعيفات القوى والانفس والعقول انا كنا لنؤمر بالكف عنهن و انهن لمشركات (نهج‌البلاغه)

جب تک وہ خود (جنگ کی ابتداء) نہ کریں ان سے نہ لڑو، کیونکہ ایک حجت پر تو تم (پہلے ہی سے) قایم ہو، اب ان کی طرف سے چھیڑ شروع ہونے تک جو ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو دوسری حجت بھی تمھارے ہاتھ آجائے گی؛ اور جب خدا کے حکم سے وہ شکست کھا جائیں تو کسی بھاگنے والے کو قتل نہ کرنا، جو اپنی جان بچانے سے عاجز ہو اس پر ٹوٹ نہ پڑنا، زخمی کو ہلاک نہ کرنا اور عورتوں کو ایذا پہنچا کر ہیجان میں نہ لانا، اگرچہ وہ

تم کو برا بھلا کہیں اور تمھارے سرداروں کو گالیاں ھی کیوں نہ دیں۔ بات یہ ھے کہ وہ ضعیف القوی، ضعیف النفس اور ضعیف العقل ھوتی ھین ۔ (رسول اللہ نے اپنے زمانے میں) ھم کو حکم دیا تھا کہ ھم عورتوں سے کچھ تعرض نہ کریں، حالانکہ وہ عورتیں مشرکہ تھیں ۔

۲ — اتق الله الذی لا بدلك من	اس خدا سے ڈرو جس سے
لقائه ولا منتهی لك دونه	ایك دن تم کو ضرور ملنا ھے؛
ولا تقاتلن الا من قاتلك و	اور جس کے سوا تمھارے
سرالبردین و غور بالناس	لئے کوئی منتھا نہیں ھے۔
ورفه بالسیر ولا تسر اول اللیل	اور جنگ و جدل نہ کرو مگر
فان الله جعله سکنا و قدره	اس شخص سے جو تم سے
مقاما لا ظعنا فارح فیه بدنك	جنگ و جدل کرے۔ صبح
و روح ظهرك فاذا وقفت حین	و شام سفر کرو کہ یہ دونوں
ینبطح السحر او حین ینفجر الفجر	خنکی کے وقت ھیں اور دوپہر
فسر علی برکة الله فاذا لقیت	کے وقت لوگوں کو ٹھیرا دیا
العدو فقف من اصحابك	کرو۔ چلنے میں آرام وآسائش کا
و سطا ولا تدن من القوم دنو	خیال رکھا کرو۔ اول شب سفر

من یرید ان ینشب الحرب
ولا تباعد منهم تباعده من
یهاب الناس حتی یاتیك امری
ولا یحملنکم شنانکم علی قتالهم
قبل دعائهم والاعذار الیهم
(نهج البلاغه)

نه کرو که خدا نے اس کو سکون و قیام کا وقت بنایا ھے، نه که سفر کا۔ پس رات کے وقت تم اپنے بدن اور اپنے اونٹوں کو راحت دو۔ پھر جب ظهورِ سحر یا طلوعِ فجر هو تو کھڑے هو جاؤ اور خدا کی برکت کے ساتھ چلنا شروع کردو۔ جب دشمن کی فوج کے قریب پهنچو تو اپنے ساتھیوں کے درمیان ٹھیرو۔ غنیم کی فوج کے بالکل قریب نه هو جانا که یه طریقه اس کا ھے جو خود جنگ کو بھڑکانا چاهتا ھے، اور نه بهت زیاده دور هی رهنا که یه طریقه اس کا ھے جو لوگوں سے ڈرتا ھے۔ (اسی حالت میں رهنا) یهاں تك که میرا حکم تمهارے پاس پهنچے۔ دیکھنا ایسا نه هو که حق کی طرف دعوت دینے اور عذر و حجت تمام کر لینے سے پهلے بغض و عداوت تم کو ان سے لڑنے پر آماده کردے۔

تمت بالخیر